UNIVERSAL
LIBRARY
OU_222675
UNIVERSAL
LIBRARY

جملہ حقوق محفوظ ہیں

بہارِ جاوداں

اثر:
خان صابر خلیلی
میر ولی وارثی

ناشران
پنجاب اکاڈیمی ہال بازار امرت سر
قیمت مجلد سے
قیمت غیر مجلد عہ

فہرست

حصّۂ اوّل

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	تقریب	۱
۲	بندگی و خواجگی	۲۵
۳	تخلیق عشق	۲۸
۴	مسلم ہندوستان	۳۴
۵	صبا	۳۷
۶	سرایہ و محنت ،	۳۸
۷	شعاع آفتاب ،	۳۹
۸	جنگ اُحد کا ایک واقعہ ،	۴۲
۹	جگنو	۴۴
۱۰	دنیائے عمل	۴۷
۱۱	دل	۴۹
۱۲	سپاہی کا گیت ۔	۵۱
۱۳	فلسفۂ عشق ۔	۵۸
۱۴	شاعر اور ابرِ آخرین	۵۹
۱۵	احساس گناہ	۶۱
۱۶	نوحہ ہندوستان ۔	۶۲

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۷	ریحانہ سے	۶۳
۱۸	طلوع آفتاب	۶۹
۱۹	..... کی رنگین یاد	۷۱
۲۰	عہد غلامی	۷۴
۲۱	نورجہاں	۷۶
۲۲	توہین رسالت	۸۰
۲۳	فنا	۸۵
۲۴	نخچیر صیاد	۸۷
۲۵	اسلام	۸۹
۲۶	پروانہ و شمع	۹۰
۲۷	حیات جاوید	۹۱
۲۸	صبح کا ستارہ	۹۴
۲۹	پھول	۹۵
۳۰	مدینہ منوّرہ	۹۷
۳۱	فسونِ حسن	۹۸
۳۲	پیغام سروش	۹۹
۳۳	بچہ اور چاند	۱۰۹
۳۴	مولینا ابوالکلام آزاد کے نام،	۱۱۱
۳۵	بادہ نوشی	۱۱۳
۳۶	لالۂ صحرا	۱۱۴
۳۷	مطربہ	۱۱۶
۳۸	مسلم سے خطاب	۱۲۲
۳۹	موج و حباب	۱۲۳
۴۰	فروتنی	۱۲۵
۴۱	حورِ گلستاں	۱۲۷
۴۲	نوائے غم	۱۳۵
۴۳	ہلال عید	۱۳۶
۴۴	تنہا سپاہی	۱۳۸

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۴۵	حسن و عشق	۱۴۰
۴۶	الماس	۱۴۲
۴۷	پیام عشق	۱۵۲
۴۸	ولی وارثی کے نام	۱۵۳
۴۹	فرقت	۱۵۹
۵۰	نشاط باغ کشمیر	۱۶۱
۵۱	چکور اور چاند	۱۶۳
۵۲	سلطان ابن سعود اور امام یحییٰ	۱۶۴
۵۳	غزلیات	۱۶۹ تا ۲۱۸

حصّۂ دوم

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۵۴	التجا	۲۲۵
۵۵	وحشتِ تصور	۲۲۶
۵۶	پیغام عمل	۲۳۰
۵۷	چاند	۲۳۱
۵۸	ندائے وقت	۲۳۲
۵۹	عید اور ساقی	۲۳۴
۶۰	غمنامہ مزدور	۲۳۵
۶۱	عرضِ تمنا	۲۴۰
۶۲	شوہر کا انتظار	۲۴۲
۶۳	پریت کا گیت	۲۴۵
۶۴	حقیقت و مجاز	۲۴۷
۶۵	حسین ساقی	۲۴۹

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۶۶	دعا	۲۵۲
۶۷	بلبل بہ گل	۲۵۳
۶۸	انقلاب ہند	۲۵۴
۶۹	لالہ رخ کی یاد	۲۵۶
۷۰	نانک	۲۵۹
۷۱	بہار انقلاب	۲۶۰
۷۲	افکار پریشان	۲۶۳
۷۳	مزدور اور سرمایہ دار	۲۶۴
۷۴	بارگاہ رسولؐ میں	۲۶۵
۷۵	نغمۂ حریت	۲۷۱
۷۶	تمنخانۂ گناہ	۲۷۲
۷۷	طلوعِ سحر	۲۷۶
۷۸	نرگس	۲۷۸
۷۹	برسات	۲۸۳
۸۰	فلسفۂ انبساط	۲۸۶
۸۱	نعرۂ تکبیر	۲۸۹
۸۲	ایک راگنی	۲۹۰
۸۳	جنت الارض	۲۹۳
۸۴	الوداع	۲۹۵
۸۵	سندھ ندی	۲۹۶
۸۶	صحبت گذشتہ	۲۹۸
۸۷	والد مرحوم کی تربت پر	۳۰۰
۸۸	غزلیات	۳۰۹ تا ۳۴۴

کتبہ قاضی محمد عثمان کاتب روزنامہ سیاست لاہور

حصّۂ اوّل

از

خان صابر خلیلی

گیلانی الیکٹرک پریس ہسپتال روڈ لاہور میں باہتمام بابو نظام الدین پرنٹر چھپی اور خان صاحب خلیلی پبلشر
و مہتمم پنجاب اکاڈیمی نے ٹکسال بازار امرتسر سے شائع کی۔

تقریب

(اثر خامہ ادیب الملک حضرت اختر شیرانی الافغانی - لاہور)

اردو کی قدیم شاعری اس کی محدودیت اور صحیح و حقیقی تغزل کے لحاظ سے اس کی بے راہروی کی داستان پارینہ آپ متعدد مرتبہ سن چکے ہونگے - آج انقلاب ذوق کی اس شاندار اور زریں تحریک یعنی جدید شاعری کا افسانہ بھی سن لیجئے - جو اردو زبان کی مجالس ادبی و شعری میں انگریزی ادبیات کے ترویج و تدریجی دور میں بروئے کار آئی - اور جس کے مؤثرات عصر حاضرہ میں عالمگیر نظر آتے ہیں ؛

اردو میں فطری شاعری کا مفہوم

جن اہل نظر نے مغربی ادبیات اور اس کی تاریخ و تنقیدات کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ فطری شاعری یا نیچرل شاعری کی اصلاح کس وسیع و بسیط معانی کی حامل ہے - آئیے اس کا صحیح اور اصلی مفہوم اردو "نیچرل شاعری" کے ابتدائی حصے پر کما حقہ منطبق بھی نہیں ہو سکتا - مگر چونکہ وہ فطری طرز (سکول) کے ایک وسیع حصے کو محیط ہے - اور اس کے علاوہ اسے ہمارے ہاں اسی عنوان سے یاد کیا جاتا رہا ہے - اس لئے ہم بھی اس کا اسی عنوان سے تذکرہ کریں گے ؛

"نیچرل شاعری" کا آغاز اردو میں

اردو میں "نیچرل شاعری" کا آغاز سراسر مغربی ادبیات کے اثر کا ممنون ہے - غدر ۵۷ء کے جہاں آشوب

ہنگامے کے بعد جدید سیاسیات کے جدید نظم و نسق نے ملک کی معاملاتی فضا میں اہم تبدیلیاں پیدا کر دی تھیں۔ دفتری صیغوں اور تعلیمی اداروں کو عظیم انقلاب سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ یہاں تک کہ معاشی و معاشرتی فضائیں بھی انقلابی تحریکات اور ان کے نتائج سے محفوظ نہیں رہ سکتی تھیں۔ قاعدہ ہے کہ خارجی مظاہرے کے پردے میں اندرونی اثرات بھی پنہاں ہوتے ہیں نتیجہ یہ نکلا کہ تعلیمی و معاشرتی تغیرات کے ساتھ ساتھ ذہنیات و معنویات پر بھی ایک خاموش مگر گہرا اور پائیدار انقلابی اثر طاری ہونا شروع ہو گیا۔

پہلا قدم

لیکن جب ایک نقاد یا مورخ کی عینک سے ہم ان مؤثرات و تغیرات کے ظہور اور اس کے انفعال رجحانات کو دیکھنا اور ان پر غور کرنا چاہیں گے۔ تو ہماری حیرت کا کوئی ٹھکانہ نہ رہے گا۔ کہ اردو شاعری کی بے راہروی کو، جو برسوں سے ایک روش پر قائم تھی سب سے پہلے جن دماغوں نے محسوس کیا۔ اور اس کی اصلاح و درستی کی کوشش میں پہلا قدم اٹھایا وہ اس طبقے سے مطلقاً تعلق نہ رکھتے تھے جس نے تعلیماتِ جدیدہ کی روشنی میں سانس لیا اور ذہنیات و ترقیاتِ جدیدہ کے ثمرات کا فائدہ اٹھایا تھا۔ اور جس کو فطرتاً و نتیجتاً اس افسوسناک کمی کا سب سے پہلے احساس ہونا چاہئے تھا۔ بلکہ اس خاص باب میں جو سب سے پہلی کوشش بروئے کار آئی وہ ایسے بزرگوں کی ممنونِ توجہ تھی جن کی علمی، ذہنی اور فکری نشو و نما خالصتاً مشرقی علوم و فنون کے آغوش میں ہوئی تھی۔ گو اس میں بھی شک نہیں کہ ان کی وقت شناس اور حقیقت بین آنکھوں نے ان کو علم و ادب کے اعلیٰ ترین اور بلند ترین تخیل سے کامل طور پر آشنا کر دیا تھا۔

پروفیسر آزاد

اس سلسلے میں سب سے پہلا نام شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد دہلوی کا ہے جن کو غدر کے تباہ کار اثرات نے دلی کی "گلیوں" سے جدا اور یارانِ وطن کی صحبتوں سے محروم کر کے لاہور پہنچا دیا تھا جہاں ابتداً وہ ڈائرکٹر تعلیمات کی مہربانی

سے تعلیمی محکمے میں اردو کتابوں پر نظر ثانی کرنے کی غرض سے ملازم رکھے گئے۔ اور بعد ازاں لاہور کے مشہور گورنمنٹ کالج میں مشرقی ادبیات کے پروفیسر بنا دئے گئے۔ ابتدائی ملازمت میں ان کا کام یہ تھا کہ محکمے کی طرف سے جو تعلیمی کتابیں انگریزی سے اردو میں منتقل کی جاتی تھیں۔ ان کی زبان درست کر دی جائے یہی ملازمت ان کے اُس شاندار مستقبل کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ جو ان کو اردو زبان کے سب سے بڑے سادہ نگار انشا پرداز اور "نیچرل شاعری" کے بانی کی حیثیت سے ابدالآباد تک کیلئے مشہور اور زندۂ جاوید کر دینے والا سبب تھا۔ انگریزی ادبیات کے ان ترجموں کے مطالعے سے ان کے دل میں اردو شعر کی تنگ دامانی غزلیاتی حصے کی مبالغہ آرائی اور خیالی دروغ سامانی کا احساس ہوا۔ اور مغربی ادبیات کی سادگی حقیقت نگاری اور فطرت سرائی کی تقلید میں اردو شعر کی متبذل روش کو بدلنے اور اس کے محدود سرمائے کو وسیع کرنے پر کمربستہ ہو گئے چنانچہ ان کے ذہنی انقلاب نے ابتدائی ظہور کے طور پر ۱۸۷۴ء میں ایک جلسے کی طرح ڈالی جس میں غزل کی طرح کے بجائے پہلی مرتبہ ایک خاص مضمون اور عنوان مقرر کر کے شعرا سے اس پر مظومات لکھنے کی فرمائش کی گئی۔ اس اولین جلسے کی رپورٹ ہماری نظر سے گذری ہے۔ چونکہ اردو کی "نیچرل شاعری" کا یہ پہلا بنیادی جلسہ تھا اس لئے ناظرین کی دلچسپی کے لئے یہاں اُن شعرا کے نام درج کر دئے جاتے ہیں جنہوں نے اس میں شرکت کی۔ اور مقررہ عنوان پر نظمیں پڑھیں۔

۱۔ پروفیسر آزاد۔ (۲) شاہ انور حسین ہما (۳) مولوی مرزا اشرف بیگ خاں اشرف دہلوی۔

(۴) محمد علاء الدین محمد کاشمیری۔ (۵) منشی الٰہی بخش رفیق (۶) مولوی محمد مقرب علی رئیس جگراؤں

تلمیذ آزاد۔ (۷) مولوی امو جان دلی دہلوی تلمیذ غالب۔ (۸) مولوی عطاء اللہ۔

اسی سال یعنی ۱۸۷۴ء کے آخری ایام میں مولانا حالی اور بعد ازاں مولانا سیف الحق ادیب دہلوی تلمیذ غالب اور مرزا عبد الغنی ارشد گورگانی دہلوی بھی لاہور پہنچ گئے اور طرز جدید کے ان مشاعروں میں حصہ لینے لگے۔ اس طرح آزاد کا پیام اصلاح بہت جلد تمام ملک میں گونج اٹھا اور اصلاح پسند طبیعتیں نہایت سرگرمی سے اس نئی دنیا کی طرف مائل ہو گئیں۔

مجموعۂ کلام آزاد

تحریکِ اصلاح کے بانی ہونے کی حیثیت سے پروفیسر آزاد مرحوم کا کلام ایک مخصوص توجہ کا طلب گار ہے۔ کیونکہ وہ ہماری جدید شاعری کا سب سے پہلا نمونہ اور نقشِ اوّل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لئے ہم ذیل میں اس پر ایک سرسری اظہارِ خیال ضروری سمجھتے ہیں۔

آزاد کے سرمایۂ فکر و شعر میں ایک سخت گیر نقاد کی نگاہ جستجو اس شادابی اور شگفتگی کا عالم نہیں پاتی۔ جو حقیقی شاعری کا جوہر اوّلین ہے شاید نقشِ اوّل سے تکمیل کی پوری شان کی توقع رکھنا ہمارے لئے مناسب نہ ہو سبب بھی معقول ہے کہ ابتدائی کوشش میں کچھ نہ کچھ خامی رہ ہی جاتی ہے۔ آج اس طرزِ شعر کی ترقیوں کے زمانے میں بھی زیادہ تر تعداد ایسے شعرا کی نظر آئے گی جو ؎

دندانِ تو جملہ در دہان اند ✤ چشمانِ تو زیرِ ابرو اند

ہی کو روحِ شعر خیال کرتے ہیں۔ لیکن اس عذر کو اچھی طرح ملحوظ رکھنے کے باوجود ہمیں کہنا پڑتا ہے۔ کہ نقشِ آغاز کی خامیوں میں نقاش کے ذاتی افکار کی بے رنگیوں اور غیر شاعرانہ طبیعت کی بدنمائیوں کو بھی بہت کچھ دخل ہے فطرتاً شعر کا ذوق نہ ہو۔ اور دلِ دردِ شعری سے محروم ہو۔ تو کلام میں شعریت اور تکمیلِ شعریت کا رنگ کیونکر جھلک سکتا ہے۔

کلام کی حقیقی تکمیل اور پختگی اس کی شعریت ہوتی ہے شعر سادہ ہو یا دقیق جذبہ سراپا صداقت ہو یا سراسر خیال انداز بیاں عام ہو یا خاص لیکن پیکرِ شعر روحِ شعریت سے خالی ہو تو سب بیکار ہیں۔ نہ نقاد کا تحرکلام اسے مقبول بنا سکتا ہے نہ تذکرہ نویس کا زورِ قلم۔ خود مرحوم آزاد نے استادِ ذوق کی ابدی زندگی کے حق میں کونسی کمی اٹھا رکھی! اور فنِ انشاء کی کونسی ساحری نہیں برتی؟ لیکن ذوقِ سلیم کی نگاہوں سے یہ زرنگار پردہ اٹھ کر رہا۔ الغرض مجموعۂ کلام آزاد "حسن و عشق کی قید سے آزاد" ہونے کے ساتھ ساتھ بہارِ شعر کی رنگیں کاریوں سے بھی آزاد ہے۔ آمد سے زیادہ آورد اور بے ساختگی سے

زیادہ کاوش و تصنع قدم قدم پر دامنگیر فکر و نظر ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاعر کا مقصود ذہنی اور منتہائے خیالی وہ نقطۂ عروج نہیں جس تک صرف ایک حقیقی شاعر کی نگاہِ جذب و فکر پرواز کر سکتی ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آزاد کا کلام ایک خوش ذوق ناظر کے وجدان و ذوق کو بیدردی کی حد تک تشنہ رکھتا ہے۔ اور نہ صرف یہ قاری کا مذاق، بے رنگی و بیکیفی کے اس ہجوم سے بہت جلد تھک جاتا ہے بلکہ اُس کے افکارِ مطالعہ بھی مجروح ہو جاتے ہیں +

فیصلہ

نتیجہ کا اعلان کرتے ہوئے مجبوراً کہنا پڑتا ہے کہ "نیچرل شاعری" کے قصر رنگیں کی تاسیس و تعمیر کے سلسلے میں ایک طرف پروفیسر آزاد مرحوم کی کاوش دماغی" اور دوسری طرف ان کے منظومات کی تشنگی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہمیں اس فیصلے پر آمادہ ہو جانا چاہئے کہ اردو میں "نیچرل شاعری" یا جدید شاعری کا سنگِ بنیاد آزاد نے ضرور رکھا مگر عمارت کی ابتدا ان کے بس و بازو کی منوں نہیں۔ یہ فخر قدرت نے ایک اور ہی پیکرِ کمال کے لئے محفوظ کر رکھا تھا۔ جو حقیقتاً شاعر تھا۔ اور روح شعریت کا راز دان +

حالی

ناظرین سمجھ گئے ہوں گے۔ کہ ہماری مراد جس فردِ گرامی سے ہے وہ حالی، شاعری کے حقیقی ترجمان حالی کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ وہ حالی، جو چاہے خود شاعری کیلئے پیدائشی نہ ہوا ہو۔ مگر غالب کی زبان میں شاعری اس کیلئے ضرور پیدا ہوئی تھی۔

مانبودیم بدیں رتبہ راضی غالب + شعر خود خواہش ایں کرد کہ گردد فن ما

حالی نے نثر میں بھی اپنی قوت اختراعی کے متعدد دلآویز نقوش، یادگار چھوڑے ہیں۔ جو ایک اہل قلم کو اردو کے محسنوں میں شمار کرانے کیلئے کافی ہیں۔ اور بعض احباب کا یہ بھی خیال ہے۔ کہ اس کی نثر کبھی اس کی نظم پر نہیں چھا سکی اس کے باوجود کہا جا سکتا ہے۔ کہ اگر اس کے شعری سرمائے کے مجموعۂ افتخار سے اس کی نثری پیداوار کا انداز، دو مغرور حریفوں

کی طرح دست و گریباں نہ ہوتا۔ تو ہمارا خیال ہے کہ اردو دنیا اس کی شعری یادگاروں کی کہیں زیادہ قدر کرانے کے قابل ہو سکتی تھی۔

قیام لاہور

بلاشبہ یہ حیرت انگیز امر ہے کہ لاہور کا قیام بیک وقت اردو کے دو ایسے آسمان جاہ اہل قلم کی تخلیق کا باعث ہوتا ہے۔ جو نثر و نظم میں آسمان اردو کے ماہتاب و آفتاب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یقیناً یہ حسن اتفاق عجیب و غریب نوعیت کا حامل ہے کہ اسی سال جبکہ آزاد مرحوم پنجاب میں انقلاب شعر و سخن کے یادگار تحریک کی بنیاد ڈالتے ہیں یعنی ۱۸۷۴ء میں مولانا حالی دہلی سے لاہور آتے ہیں اور ہم انہیں انجمن کے مشاعروں میں سرگرمی سے حصہ لیتے دیکھتے ہیں۔ کلام حالی کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ ان "عنوانی" مشاعروں میں بحر خیالات حالی نے کیسے کیسے آبدار موتی اگلے ہیں۔ حب وطن۔ برکھا رت۔ نشاط امید۔ یہ اردو کی جدید شاعری کے وہ نو طلوع ستارے تھے۔ جو غرب کی تاریکی سے آج تک اتنا نہیں ہوئے۔ طرز جدید کے دامن میں حالی کے قلم نے وہ پھول بھرے ہیں۔ کہ دنیائے ادب اب تک ان کی خوشبو سے مہک رہی ہے اور اگر خدانخواستہ ہم ان کی نکہت طرازیوں سے تھک گئے۔ تو یہ ہماری اپنی بدذوقی کا ثبوت ہوگا شاعری کے اس الہام سرا پیکر اور ؎

دماغش ادب خوردۂ عشق و مستی ✤ دلش پرورش دادۂ جبرئیلے

سے ہمیں کوئی شکایت نہیں ہونی چاہیئے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ایسا ہو بھی سکتا ہے۔ ابھی اس پر غور کرنے کے لئے بھی ہمیں غالباً مدت تک انتظار کرنا پڑے گا۔

حالی کی فنی تکمیل کا اس سے بڑھ کر ثبوت کیا ہوگا۔ کہ آج جبکہ بعض نوجوان شعراء کی فطرت نوا ہمیں نے حقائق شعر کے متعدد نئے بہشت زار کھلائے ہیں حالی کے گلکدۂ فطرت کی سرشار مہک بدستور شاداب اور ان کی روح شعریت مجسم شگفتہ ہے۔ پھر "مسدس حالی" کیا کہئے جو ہماری پچھلی نصف صدی کے تمام و کمال سرمایہ محمود شعر میں اب بھی اپنا حریف تلاش کر رہی ہے ✤

قومی شاعری

یہی وہ ولولہ انگیز شعری کارنامہ ہے جس نے اُردو میں قومی شاعری کا سنگِ بنیاد رکھا۔ اور اس شان سے رکھا کہ اس معرکتہ الآرا نظم کو نہ صرف اُردو میں بلکہ تمام مشرقی ادبیات میں منظومات بیئہ اسلامی کا تاج کہا جاتا ہے۔ یہ نظم ۱۸۷۹ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچی، یہ تو اس عہد کا تمام تر نواختراع ملی سرمایہ خواہ اس کا تعلق مسلمانوں کے معنویات سے ہو خواہ کسی اور شعبے سے، سرسید مرحوم کی ان یادگار مساعی کا بالواسطہ یا بلاواسطہ نتیجہ تھا جن کی بدولت قدامت پرستی کی تمام زنجیریں جن میں عامتہ الناس کی ذہنیت اسیر تھی، پارہ پارہ ہوگئیں اور قومی معاشرتی اور تعلیمی اصلاح سے ترقی کر کے یہ انقلابی اور نتیجتاً ذہنی تغیر اور معنوی تغیر تک بر روئے کار آئی لیکن مسدس خاص طور پر سرسید کی ذاتی تحریک کا نتیجہ ہے جیسا کہ ان کے اُس خط سے بھی معلوم ہوتا ہے جو مرحوم نے ۱۰ر جون ۱۸۷۹ء کو مولانا حالی کے نام لکھا۔

"بیشک میں اس کا محرک ہوا اور میں اس کو اپنے اعمال حسنہ میں سے سمجھتا ہوں۔ کہ جب خدا پوچھے گا تو کیا لایا میں کہوں گا حالی سے مسدس لکھوا لایا ہوں" [۵۱]

مسدس حالی کی تصنیف سے نیچرل شاعری کی ایک نئی صنف جس سے ہمارے اردو فارسی شعرا ناواقف تھے یعنی قومی شاعری کی بنیاد پڑی۔ اور جا بجا ہندو مسلمان شعرا اپنے اپنے فرقوں اور جماعتوں کی اصلاحی ترقی کے لئے جوش انگیز نظمیں لکھنے لگے۔ مگر اس کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلا کہ شعرا کا مطمح نظر، اس شعبہ کی نگہنا میں سما کر محدود و متعین اور اس طرح شاعری کا وہ عالمگیر اور فیاضانہ اثر مضمحل ہوگیا جو قومی و مذہبی اختلافات سے بے نیاز ہوتا ہے۔

بہرحال اردو کی نیچرل شاعری کا یہ پہلا دور تھا۔ جو آزاد کی طرح انگنی اور حالی کی عمارت اندازی پر ختم ہوگیا۔

تعلیم جدید کا ایک ناگوار اثر

اردو کی جدید شاعری کے دوسرے دور کا تذکرہ کرنے سے پیشتر یہ بتا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ اگر حالی

---

[۵۱] ۔ رسالہ "اردو" ۔ اورنگ آباد (دکن) بابت ماہ ۔۔۔ ء

دآزاد کی فطرت نوائیاں، شہرستان شعر میں اپنی صدائے بازگشت کی گونج پیدا کر رہی تھیں ادھر ملک کے ذوق میں مغربی تعلیم کے اثرات انقلابی ہنگامے برپا کرنے لگے تھے۔ نوآموز اذہان، مغربیات سے روز افزوں وابستگی اختیار کرتے جاتے تھے اور انگریزی علم و ادب اپنی تمامتر کل جدید لذیذ کی رنگ آرائیوں کے ساتھ ان کی نگاہوں میں وقعت و مقبولیت حاصل کر رہا تھا۔ "داغ و امیر کی" کے بجائے شیکسپیر اور ملٹن قابض ہو رہے تھے۔ اور میر و مومن کی خانقاہیں ڈھے کر ان کے بجائے شیلے اور کیٹس کے میکدے تعمیر ہونے لگے تھے۔ نئے تعلیمیافتہ طبقے کے ذوق ادبی کا یہ عالم تھا جو اپنی ملکی زبان اور اس کے تمامتر علم و ادب کو حقارت و نفرت کی نظر سے دیکھنے کا عادی ہوتا جاتا تھا۔ اور ہر وقت اُن سے اپنے ذوق کی بیزاری کا اعلان کرنے پر آمادہ رہتا تھا۔ دوسری طرف موقت شروع ادبیات کی یہ حالت تھی کہ اس کا زیادہ تر حصہ طرحی اور محض لطیفہ نگار جرائد و رسائل کے سرمایہ پر مشتمل تھا۔ عوام کی طبیعت کا رجحان جُوں کا توں پرانی قسم کے طرحی مشاعروں تک محدود تھا کبھی کبھی سرسید اور حالی کے کسی نام لیوا کی کوئی نظم سننے میں آجاتی تھی۔ باقی ؎

ایں خانہ تمام آفتاب است

والا معاملہ تھا۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے تصنیفی اور صحبتی ہنگاموں میں جدید تعلیمیافتہ طبقے کی تفریح کا کوئی سامان نہ تھا۔ اور وہ ایک حد تک مغربی شعر و ادب کے نزول کے باب میں مجبور بھی تھے پھر بھی اردو اور اس کے ادبیات کو ناقابل التفات سمجھنا یہ ان کی زیادتی تھی ——— یوں بھی شعر و شاعری کا مذاق خواص میں عام ہی نہیں ہوتا۔ اس بارے میں ان کی مغرب زدگی کا رجحان کسی حد تک جائز بھی تھی، روا رکھا جائے۔ حالت یہ تھی کہ مجموعی طور پر ہمارے تمام شعبہ ہائے زندگی تقلید مغرب کی قیود میں جکڑے جا رہے تھے۔ تہذیب، تمدن، معاشرت، گفتار، کردار، الغرض ہر متعلقہ انداز پر مغربیت اپنا رنگ کا ملتع چڑھا رہی تھی۔ اور اس حالت کا آغاز ہو گیا تھا جب ایک قوم خارجی اثرات کی دریوزہ گری میں مبتلا ہو کر اپنا تمامتر داخلی دروحی سرمایہ بھی ان کے قدموں پر نثار کر دیتی ہے۔ اور جس کے لئے دنیا کا ہر قدیم و جدید تمدن پکار پکار کر کہتا ہے۔ کہ ایسی قوموں کو زندہ رہنے کا کوئی حق

نہیں۔ ٹھیک اس اندھیرے اور پرآشوب دور میں ہماری نظروں کے سامنے اکبر الہ آبادی اور ان کے کچھ ہی دیر بعد اقبال نمودار ہوتے ہیں۔

اکبر الہ آبادی

مولانا اکبر الہ آبادی کی زندگی جدید شاعری کے پہلے اور دوسرے دونوں دوروں کو محیط ہے ایک طرف وہ حالی و شبلی کے شریک محفل نظر آتے ہیں۔ دوسری طرف نوجوانوں کی بزم میں بھی صدر کی حیثیت سے بالش نشیں ہیں ——— اکبر اردو کا وہ تنہا شاعر جو ایک ہی وقت میں شاعر بھی تھا۔ اور مصلح ملت بھی، بذلہ سنج ظریف بھی تھا۔ اور حکیم امت بھی، قومی رہنما بھی تھا۔ اور ملک کا ضرورت شناس مفکر بھی، حالی بھی تھا، اور انشا بھی، طنز نگار بھی تھا۔ غزل گو بھی، بقول مہدی حسن افادی "اکبر کا فضل و کمال ضمنی اظہار خیال نہیں چاہتا" ۔ ۔ ۔ بہرحال ملک کی عام وبائے بدمذاقی میں ایک شاعرانہ شخصیت ایسی تھی جس پر ہم ناز کر سکتے تھے۔

حالی اگرچہ جدید شاعری کے اولین کامیاب علمبردار تھے۔ تو اکبر جامعیت کے لحاظ سے اپنا جواب نہیں رکھتے۔ دونوں کی شاعری کی روح ایک ہے۔ مگر انداز مختلف ہے شراب ایک ہے لیکن رنگ و ساغر الگ الگ جس مقصود پر حالی کی نگاہ غم و یاس میں ڈوبی ہوئی پڑتی ہے۔ اکبر کی فکر ظریف اُسے مسکراتی ہوئی نظر سے دیکھنے کی عادی ہے حالی کی طرح بلکہ اس سے کچھ زیادہ "متعصب" انداز میں اکبر ایک سچا مشرقی تھا۔ اور اس کے بیشتر کارنامے مشرق اور اسلام کی ہمدردی سے لبریز ہیں شاعری کے نقطۂ نظر کا جو پھیلاؤ اکبر کے ہاں نظر آتا ہے وہ اب تک بدستور قائم ہے اور ہمارے نقاد ابھی اس کا تمام استقصا بھی نہیں کر سکے اکبر کا کلام عصری جذبات و محسوسات سے لبریز ہے۔ اور اسی لئے ان کو بجا طور پر "لسان العصر" کے خطاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ ہر عہد کی ایک "روح العصر" ہوتی ہے۔ جو الہامی انداز میں اپنے اپنے عصر کی رہنمائی کا مقصد لیکر دنیا میں آتی ہے اکبر اپنے عصر کی روح العصر تسلیم کیا جانا چاہئے مشرق و مغرب کے ہر گونہ تعلقات باہمی کی حدود متعین کرتے میں ان کی حکیمانہ مگر ظریفانہ تعلیم بڑے سے بڑے مشرقی سیاسی مفکر کی تعلیم سے وزنی قیمتی اور قابل قدر ہے۔ مرحوم مہدی حسن کا قول ہے "اکبر ہمیشہ

ایک ہوگا" ——— اور ہم اس قول کی انتقادی صداقت سے انکار نہیں کر سکتے ۔

اقبال

حالی و اکبر کے بعد اقبال نے قومی و ملی شاعری کی طرف توجہ کی، مگر اس منزل میں آنے سے پہلے وہ وطنی شاعری کی طرف بھی کسی قدر میلان رکھتے تھے۔ ان کا "ترانہ" عالمگیر قبول عام حاصل کر چکا ہے۔ وطنیت کی یہ وسیع فضا سے نکل کر قومیت کے محدود شہرستان میں گھر جانا ملی نقطۂ نظر سے یقیناً خوشگوار امر ہے۔ مگر شاعری کی بلند نظری اسے ٹھنڈے دل سے نہیں برداشت کر سکتی۔ اقبال اس الزام کا جواب حالی کا فرض ٹھہرا دیں تو نقاد کے لئے مجال گفتگو نہیں رہ سکتی۔ سوائے اس کے کہ حالی کے کارنامۂ ملی (مسدس) کو بھی ایک "گناہ شعری" سے تعبیر کیا جائے ——— بعض نقادوں کا خیال ہے۔ کہ اس میں کوئی نقصان نہیں"۔ لیکن ایک اور حیثیت سے بھی اقبال کے اس بحث طلب" گناہ کو قابل معذوری خیال کیا جا سکتا ہے یہ حیثیت اسلام کی عالمگیر برادری کا وہ وسیع و محیط جذبۂ اخوت ہے جس کے مقابلے میں دنیا بھر کے وطنوں کی وسیع فضائیں، ہر لحاظ سے محدود و مختصر اور اس لئے ناقابل انتخاب اعتنا ہیں۔ اسلام کے مقابلے میں اگر کوئی اور قومیت ہوتی تو یقیناً اقبال وطنیت کو ترجیح دیتا۔ اور اس وقت اس کا یہی فرض ہوتا۔

اقبال نے قومی شاعری کے معیار کو بلند سے بلند تر بنانے کی کوشش کی۔ اس کی اردو شاعری کم اور فارسی زیادہ تر اس دعویٰ کی شاہد ہے۔ گو شہادت کا یہ زیادہ تر حصہ ہماری بحث کے حدود سے خارج ہے لیکن یہ امر کہ حالی صرف ماضی کا سوگوار تھا۔ اور اقبال مستقبل پر بھی نظر رکھتا ہے۔ اور صرف نظری نہیں رکھتا بلکہ اسی کو اصلی مقصود افکار تصور کرتا ہے۔ ہمارے لئے اقبال کی اعلیٰ قومی شاعری کی تعریف میں ایک نئی تائید بہم پہنچا دیتا ہے۔

قومی نظموں میں فلسفیانہ خیالات کا دخل اقبال کی نمایاں ترین خصوصیت ہے اور اس سے ان کی وہ نظمیں بھی خالی نہیں۔ جو قومی رنگ سے علیحدہ ہیں۔

اقبال اس لحاظ سے بہت ہی خوش نصیب شاعر ہے۔ کہ اسے اپنی زندگی ہی میں بیشمار متبع اور مقلد مل گئے جنہوں نے اس کے مقصد حیات کی تقلید و تائید میں ہزار ہا نظمیں لکھیں۔ اور قومی شاعری کے گلزار میں اقبال کی ہمنوا بلبلوں کا فرض ادا کیا۔ ان میں ایک سے زیادہ کے متعلق اظہار خیال چونکہ اس تحریر کا منشاء حقیقی ہے۔ اس لئے ہم پہلے اقبال کے بعض معاصرین اور ان کے جانشینوں کا تذکرہ کرنا چاہتے ہیں۔

حالی، اکبر اور اقبال کے بعد جدید رنگ سخن کی تکمیل میں جس نے سب سے زیادہ کامیابی حاصل کی اور اس کے حدود میں تصنیف اور تصنیف نما تراجم کے ذریعہ سے توسیع پیدا کی۔ وہ نادر اور سرور ہیں۔

نادر کاکوروی

انداز خیال و بیان کے اعتبار سے نادر نے جدید شاعری کے بعض ایسے نامعلوم پہلوؤں کو بھی عریاں اور روشن کیا ہے۔ جو اب تک ذہنی تاریکیوں کے پردوں میں مخفی تھے۔ اور جن کی وجہ سے اردو شاعری صرف مناظر قدرت، معارف ملت اور نکات موعظت ہی تک محدود نہیں ہی۔ بلکہ اس میں دوسری ضروریات کا بھی اضافہ ہو گیا ہمارا مقصود جذبات فطرت سے ہے جو تغزل کے غلو سے قطع نظر بالکل مٹتے جا رہے تھے کیونکہ طرز جدید کے شیدائیوں کی افراط پسندی نے ان کو گلدستہ طاق نسیاں بنا رکھا تھا۔ اور جس کی بڑی وجہ وہ مماثلت تھی جو اس صنف سخن کو بظاہر عامیانہ اور مروجہ غزلیات کی سرحد کے قریب لا کر کھڑا کر دیتی ہے۔ نادر نے جذبات انسانی کی رنگا رنگیوں کے بعض ایسے دلآویز اور سحر طراز موقعے تیار کئے ہیں جن کو دیکھ کر متغزلین کی روح بھی وجد میں آجاتی ہے اس کی مشہور نظم ؎

اکثر شب تنہائی میں کچھ دیر پہلے نیند سے
گزری ہوئی دلچسپیاں بیتے ہوئے دن عیش کے

تسلسل خیال کی دلنشینی اور نوزائی کی بہترین مثال ہے۔ گویا نادر بھی انیس کا ہمزبان ہو کر کہہ سکتا ہے۔ ؎

ہم آسمان سے لائے ہیں ان زمینوں کو

یہ نظم انگریزی سے ماخوذ ہے۔ ترجمے کی رعنائی نے الفاظ کے اس مجموعے کو سادگی بیان کی حلاوت، ترنم الفاظ کی نزاکت اور تاثیر انداز کی لطافت کی ہلاکت سامانیوں سے لبریز کر دیا ہے۔ شاعری بھی ان کے سوا کسی اور چیز کا نام نہیں۔

سرور جہاں آبادی

منشی درگا سہائے سرور جہاں آبادی کی اکثر نظموں کا یہی رنگ ہے جن میں روح شعریت کی رنگینیاں انتہائی شادابی و شگفتگی کے عالم میں ہلکورے لیتی نظر آتی ہیں۔ جدید طرز سخن کی آراستگی میں سرور نے اپنی شاعرانہ طبیعت کے خوب خوب جوہر دکھائے ان کی قلمکاریوں کے دو رنگ ہیں کبھی طائر خیال حد نظر کے برابر بلند ہو جاتا ہے کبھی اس قدر پست ہو جاتے ہیں کہ کلام پر آزاد کی قدامت انداز کا دھوکہ ہونے لگتا ہے۔ تاثیر، سوز و گداز اور رنگیں خیالی و شیرینی کے لحاظ سے وہ نادر کے سوا اپنے اکثر معاصرین پر کافی تفوق رکھتے ہیں۔

بعض اور شعراء

آسمان شاعری کے ان روشن ثوابت کے ساتھ بعض سیاروں کا تذکرہ بھی ضروری ہے۔ ان میں مولانا شبلی جن کی قومی و ملکی سیاسیات پر خاص طرز کی نظمیں ملتی ہیں۔ مولوی محمد اسمٰعیل میرٹھی جن کی اطفالی شاعری اردو میں اب تک بے مثال ہے۔ محسن کاکوروی جن کی نعتیہ نظمیں کافی جدت و متانت کی حامل ہیں۔ میر تسلیم جن کی بعض نظمیں جدید نہج کو دلآویزیوں کی حامل ہیں مولوی ظفر علی خان جنکی انجمنی نظمیں اپنی دنیا الگ بنا رہی ہیں۔ اور طالب بنارسی جو آمد سخن کے بہتے دریا تھے۔ گو ان کے کلام پر کبھی کبھی نظیر اکبرآبادی کی آزاد دانہ بولی ٹھولی کا شبہ ہو جاتا ہے۔ بہرکیف ان حضرات کے بھی طرز جدید پر کافی احسانات ہیں۔

تیسرا دور

جدید شاعری کا تیسرا دور ارتقا کے عالمگیر قانون کے تحت پہلے اور دوسرے دور سے کہیں زیادہ وسعت کا حامل ہے

تعلیمی ترقی کے ساتھ ساتھ ذہنی و فکری نشو و نما بھی بہت آگے بڑھ آئی ہے مغربی شعراء و ادبا کے خیالات کا عکس عام طور پر اردو مخنویات کو محیط ہوتا جا رہا ہے۔ اور اس کے اثرات میں ہمارے شعراء رنگا رنگ جدت آرائیوں سے آفادہ کرنا سیکھتے جاتے ہیں بحر و وزن سے لے کر اظہار و انداز تک میں تنوع پیدا ہو گیا ہے تغزل کا معیار بھی بلند ہوتا جا رہا ہے اور بحیثیت مجموعی جذبات شعری کی صورت آفرینیوں نے تکمیل کی صورت اختیار کر لی ہے۔

جوشؔ ملیح آبادی

اس دور کے ممتاز شعراء میں نمایاں نام جوش ملیح آبادی کا ہے۔ جو "روح ادب" اور دوسری نظموں کے مجموعوں کے مصنف کی حیثیت سے ملک کے ادبی حلقوں میں عام طور پر متعارف ہیں۔ رنگ جدید کو مزید جدت آرایانہ ترقیات سے مرصع کرنا ان کا خاص کارنامہ ہے مناظر قدرت سے ان کے دل کو خاص لگاؤ ہے۔ اور چونکہ مناظر فطرت کی پر ظلمتوں اور رنگینیوں کا بہترین مظہر صبح کا منظر ہوتا ہے اس مناسبت سے وہ اپنے لئے "سحر پرست" کا خطاب پسند کرتے ہیں تشریح مناظر کے ساتھ ساتھ تصریح جذبات میں بھی اپنے ہمعصر شاعروں کی بہ نسبت کامیابی سے زیادہ قریب ہیں محسوسات کا رنگ کہیں کہیں فلسفیانہ انداز کے ہمدوش ہے۔ رنگیں نوائی شیریں بیانی شکوہ لفظی اور اثر آفرینی کے اعتبار سے وہ اس طرز سخن کے کامیاب تر شاعر ہیں طبیعت اثر پذیر اور تاثر گیر پائی ہے کہیں کہیں اس میں بناوٹ کا انداز بھی آ جاتا ہے۔ جو رنگ سخن عصر حاضرہ کے نوجوان اور غنائی شعرا کا موضوع فکر بنا ہوا ہے۔ وہ "روح ادب" کا بھی ممنون تقلید ہے۔

مستقبل کے حوالے

جوشؔ اور ان کے معاصرین کی تقلید میں جن نوجوان شعرا نے جدید رنگ سخن کا نشان بلند کیا۔ وہ چونکہ ہنوز داد سخن دینے میں مصروف ہیں (مرغ دار کھے) اس لئے اُن کے متعلق رائے زنی ابھی قبل از وقت ہوگی بنا بریں ان کا فیصلہ ان کے دوران کی شاعری کے مستقبل کے حوالے ہے۔ ان میں بعض متغزلین کے تتبع میں بعض اپنی خیالی دنیا ایک آزاد فضا میں آباد کرنا چاہتے

ہیں۔ اور بیشتر اقبالؔ کے معتقد ہیں +

اقبالؔ کے متبعین

اقبالؔ کے متبعین کی تعداد کافی وسعت رکھتی ہے لیکن اس طویل بحث کی تمامتر دشواریوں سے عہدہ برا ہونا درحقیقت اقبالؔ کے مقدمہ نگار کا فرض ہے اس لئے ہم ان کی مکمل فہرست سے قطع نظر کرتے ہوئے یہاں صرف اپنے دو عزیز دوستوں کا تذکرہ کرنا چاہتے ہیں جن کا مشترک مجموعۂ کلام یک روح و دو قالب کی مخلصانہ مثال بن کر آج قارئین کرام کی نگاہوں تک پہنچ رہا ہے۔ ان دونوں نوجوان شاعروں کے نام

صابرؔ خلیلی اور ولیؔ وارثی

امرتسری ہیں۔ جن کی شاعرانہ حسن کاریوں سے ہندوستان اور علی الخصوص صوبۂ پنجاب کے ادبی حلقے عام طور پر باخبر اور متعارف ہیں۔ ان نوجوان شاعروں کا وطن ہونے کا فخر سرزمین امرتسر کو حاصل ہے۔ وہ امرتسر کہ ؎

رخ بہ تماشا گہ ناز آورم

کی روشنی میں حقیقتاً ایک بلدۂ شعر و موسیقی ایک مصر حسن و شباب اور ایک بہشت رنگ و بو کی حیثیت رکھتا ہے جس کے ہر ذرے میں حساس وجدان پرست اور رومان طراز دلوں کے لئے ہزاروں رنگینیاں اور سحر طرازیاں بیقرار ہیں ؎

بہ تسلیم ہوائے آں چمن زار ؎ زموج گل بہاراں بستہ زنار

اس معمورۂ حسین و رنگین کی شاعرانہ فضا ہی کا اثر تھا کہ اس نے صابرؔ و ولیؔ اور ان کے بعض اور حساس معاصروں کی تخلیق کا فخر حاصل کیا۔

صابرؔ و ولیؔ اپنی چند در چند خصوصیات کے اعتبار سے، نوجوان شاعروں میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ دونوں کا حسنِ

خلق و اخلاص اور انداز جذب و اثر دوسروں کو بے اختیار اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ ان کی دلآویز ہستیوں کے یہ نمایاں خد و خال ہیں۔ ان اوصاف اضافی سے قطع نظر بتالنوع شعر کی بھی ان پر نظر عنایت ہے ان کے اشعار ان کے قلبی جذب و گداز کے ترجمان اور ان کے جذباتی سوز و گداز کے آئینہ دار ہوتے ہیں اور یہ سب کچھ نتیجہ ہے ان کی روحی التہاب سامانی اور تسلیبی اضطراب پروری کا جو قدرت کم شاعرانہ دلوں کو بخشا کرتی ہے۔ ع

پروردگار جس کو یہ نعمت عطا کرے

ان کے سینوں میں جوان و حساس دل اور دلوں میں جذبات و محسوسات کی محشرستانی دنیائیں آباد ہیں اور یہ اسی تاثر سامانی کا اثر ہے۔ جوان کے تمام فکری و ذہنی کارناموں کے علاوہ ان کے قومی و ملی کارناموں سے بھی جھلکتا ہے۔

قومی شاعری

ان کی قومی شاعری جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہیں سرتاسر اقبال کی تقلید کا خوشگوار نتیجہ ہے نظموں کے انداز سے اس کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے صابر کی نظم "پیغام سروش" اور روحی کی نظم "بارگاہِ رسولؐ میں" قومی شاعری کی عمدہ مثالیں ہیں۔ اول الذکر اگر مسلمانوں کی موجودہ عبرت انگیز کیفیت پر ایک دردمندانہ آنسو کی حیثیت رکھتی ہے۔ تو دوسری اپنے سوز و ساز کے لحاظ سے درگاہ رسولؐ میں ایک حساس مسلمان نوجوان کی فریاد ہے۔ دونوں اپنے اندر تاثر و تحسر کا خزینہ عالم چھپائے ہوئے ہیں۔ یہ بیقرار دلوں کی وہ آہیں اور کراہیں ہیں۔ جو بے اختیار دلوں سے نکل کر ہونٹوں تک آگئی ہیں۔ اور اگر ایک رسولؐ مدنی کے نام لیواؤں سے اپنی حالت سنوارنے کی عاجزانہ درخواست کرتی ہے۔ ؎

یارہا نالید و گفت اے قوم ما بیدار شو ✦ حصۂ خود از حریفاں گیر و گرم کار شو

تو دوسری آستان چراغ عجم و آفتاب عرب پر مصروف دعا ہے کہ ؎

اے بسرا پردۂ شرق و غرب بخواب ✦ خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب

صابر کا جوشِ غیرتِ اسلامی دیکھئے ؎

مسلم خوابیدہ تیرا جوشِ ایماں کیا ہوا ✦ سومنات شرک کے نعروں کا طوفاں کیا ہوا
کیا غلامی اقتضائے شیوۂ توحید ہے ✦ وہ جہانبانی کا جذبہ اے مسلماں کیا ہوا

ولی نے کس دلگداز لہجے میں کہا ہے ؎

درد سے مجبور ہوں بہرِ شبنم آیا ہوں میں ✦ آنسوؤں کی چند موتی نذر کو لایا ہوں میں
درد ملت دل میں ہے لب پر فغان قوم ہے ✦ میری فریادوں میں مضطر داستان قوم ہے

صابر اپنی نظم کے خاتمہ پر کس امید آمیز لہجے میں کہتا ہے ؎

تجھ سے ظاہر ملت بیضا کا پھر اجلال ہو ✦ ضو فشاں عالم میں مثل تیر اقبال ہو

ولی اپنے مقصد کا اظہار اس موثر اور متاثر کن انداز میں کرتا ہے۔ ؎

آیا ہوں غم نامۂ مسلم سنانے کے لئے ✦ رو رہا ہوں میں زمانے کو رلانے کیلئے

صابر کی نظم "پیغام سروش" کا یہ بند غیرت اسلامی کے طنزیہ انداز کا حامل ہے ؎

کہہ سکیں کیونکر تجھے اب امتِ خیر الانام ✦ تو نے غارت کر دیا اسلام کا ناموس و نام

طنزیہ انداز کے بغیر قوم کی مفلوج رگوں میں خون بیداری محال ہے۔ اکبر مرحوم نے شاید اسی لئے یہ کام قلم کی بجائے "نشتر" سے لیا ہے۔ ؎

تمہوں کی مشق سے ہم نے نکالا اپنا کام ✦ جب کسی نے قدر آہ و گریہ و زاری نہ کی

تاہم صابر کو یاس سمجھنا ظلم ہوگا۔ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ سے اس کی لو لگی ہوئی ہے۔ اور وہ اب بھی آستان کعبہ کی جبیں سائی میں نور امید کی جھلک پنہاں پاتا ہے۔ ؎

ہاں اسی اخلاص سے ہو پھر جبیں سائے حرم ✦ پھر دل نغمیں میں پیدا اشتیاق دید کر

دلی کی مذکورہ بالا نظم کے آخری اشعار سے شاعر کے ان جذبات ملی کا اظہار ہوتا ہے۔ جو ایک مسلمان نوجوان کے حساس دل میں ع

یاد ایام عشرت فانی

بن کر چٹکیاں لیا کرتے ہیں۔ اور جن سے شائد ملی عصبیتوں کے سینے کبھی محروم نہیں ہو سکتے۔ ع

غزنوی کے پاؤں چومیں پھر تبان سومنات

اور ع

پھر صلاح الدین کردے اک قیامت سی بپا

کا جذبہ ہماری قومی رگوں کے خون میں شادابی و تازگی کی بہار پیدا کرتے والا جذبہ ہے اور اس کو بھلا دینا حقیقتاً اپنی تمام ملی زندگی کو تباہ کر دینا ہے ؎

مجھے تو یہ ہو دل زندہ تو نہ مر جائے ✦ کہ زندگی تو عبادت ہے تیرے جینے سے

دو شاعروں کے کلام پر بیک وقت نظر ڈالنا تسلسل تحریر کی دشواری کے علاوہ قارئین کی رفتار خیال کو بھی برہم کرتا ہے علاوہ بریں اس مختصر مقدمے کی محدود فضا ابھی بعض دوسری ضروری خصوصیات کے اظہار کی بھی طلبگار ہے اس لئے صرف دو نظموں کی طرف سرسری اشارات کو کافی سمجھا گیا ہے۔ ناظرین کے لئے از خود غور کرنے کا حق ہر وقت محفوظ ہے۔

منظریہ شاعری

اردو میں منظریہ شعر و شاعری کا وجود پہلے بھی موجود تھا چنانچہ انیس اور نظیر کے کلیات میں اس نوع کی شاعری کی صدہا مثالیں مل سکتی ہیں لیکن محسوسات کے تئیں انتہا درجہ انہماک نے جو صورت نیچرل شاعری کی تحریک کے اثرات میں اختیار کی وہ جدید

شاعری کو ایک قسم کا امتیاز بخشتی نظر آتی ہے۔ صابر اور وفی کا اس قسم کا کلام جہاں ایک حد تک اقبال کے رنگ سے متاثر ہے ہاں بعض اور ہمعصر شعرا کے پر تو انداز سے بھی آشنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مقامات پر دونوں قسم کے اسلوب بہ دست و گریباں نظر آئیں گے وفی کے ہاں "لالہ رخ کی یاد" کا انداز ان کی نظم "بلبل بہ گل" کے اسلوب نگار شعر سے بالکل مختلف ہے اسی طرح صابر کی نظم "شاعر اور ابر آخرین" ان کی دوسری نظم "کشمیر کی سرزمین شعر و شباب" کے منظر پیچھے کے انداز سے مماثلت نہیں رکھتی۔ اس اختلاف کا سبب شائد یہ ہو کہ مدت سے انہاں نے اردو شاعری سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے۔ اس علت میں اس کے نوجوان مقلدین کا دوسرے شعرا سے ظاہری یا معنوی کسی قسم کا کچھ اثر قبول کرنا ممکن ہو سکتا ہے۔

صابر کا ایک شعر ہے جس میں صبا مخاطب ہے ؎

پھول مہکا سبزہ بہکا ہوا ✤ وادیوں پر کیف برساتی ہے تو!

اس کے مقابلے میں انہی کا یہ بیت جس میں شعاع آفتاب گویا ہے ؎

طلسم عالم بالا کی چھوڑوں زینت افزائی ✤ فلک کے آستاں کی ترک کر دوں ناصیہ سائی

محسوسات سے زیادہ تخیلات کا نمونہ بن گیا ہے فلسفی شاعر اور جذباتی شاعر کی منظر نگاری میں یہ فرق ضرور ہونا چاہیئے۔

کشمیر کی بہار آفریں بہشتوں کی منظر کشی کے لئے صابر صاحب کا یہ بند ملاحظہ ہو ؎

یہ سلسلے دمن کے یہ چشمے یہ آبشار ✤ خاموش وادیوں میں یہ نغماتِ جوئبار

یہ باغ اور باغ میں یہ سایہ چنار ✤ یہ راغ اور راغ میں یہ بادِ بید زار

. . . . . ✤ . . . . . .

وفی نے برسات کی گھن گھور گھٹاؤں کی کیا خوب تصویر کھینچی ہے ؎

فلک پہ لگے ابر کے گرج گرج کے چھا گئے ✤ کہ سطح آب نیل پر جہاز رزم آ گئے

قریب و دور تک کھائی دے رہے ہیں بادباں

کوہستانی وادیوں کی سرسبزی کا منظر دیکھئے ؎

عجب مزا ہے ان دونوں یار کوہسار میں ✦ یہاں کا ذرہ ذرہ ہے بسا ہوا خمار میں

نشے میں مست سی دکھائی دے رہی ہیں وادیاں

جذبات نگاری

صابر نے احساس گناہ کی ندامتوں کی تصویر کس قادر الکلامی سے کھینچی ہے ؎

مری آنکھوں سے آنسو بہ نکلنے کو تڑپتے ہیں ✦ گناہوں پر مجھے شرمندگی محسوس ہوتی ہے

لہو بجلی کی صورت دوڑتا ہے ہر رگ و پے میں ✦ سراپا درد مجھ کو زندگی محسوس ہوتی ہے

یقیناً عیش پیہم ہے نتیجہ رنج بے حد کا ✦ دلِ تاریک میں تابندگی محسوس ہوتی ہے

آخری شعر اُس فریب امید کی غمازی کر رہا ہے جو ہر گنہگار ضمیر کے دل میں ایک تسکین کی صورت میں رونما ہوتا ہے جو بڑے شاعر کے لئے یہ اشعار فخر کا باعث ہیں۔

سیہ خانۂ دل سے غم کی رخصت اک امید کون قلب پیدا کرتی ہے ؎

انحطاطِ درد سے بڑھ کر نہیں کوئی عروج زندگی بیدار ہوتی ہے دلِ غمناک میں

رتی کی جذبات نگاری کی یہ تمثال حسین ملاحظہ ہو ؎

آ بس جائیں پریم محل میں میں ہوں راجہ تو ہو رانی

دو قصوں کا قصہ چھوڑیں اور بن جائیں ایک کہانی

بے ثباتی عالم کے جذبات حساس دل کو اس طرح گدگداتے ہیں ؎

مگر وہ کونسی ہے شے جسے ثبات ہے ۔ جو آج صبح نور ہے تو کل اندھیری رات ہے
یونہی رہیگا حشر تک نوائے ادبی کا سماں

بعض اور خصوصیات

قدرت کلام اور زبان و بیان کی صفائی و سلاست کے سلسلے میں صابر کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں ؎

جو ہرے سرمایہ داروں کے خزانے بیدریغ ۔ آہ بے دولت رہے وہ دست دولت آفریں (صابر)

"بندگی خواجگی" کی نظم میں شعر و زور کی ہمدردی کا شاہد ہے ؎

قلم کی کھیتی ہمیشہ پھولی پھلی سکتی نہیں ۔ اب جہاں میں خواجگی کی دال گل سکتی نہیں (صابر)
اب بنائی جائے گی دنیا بنائے تازہ پر ۔ انقلاب چرخ کی فطرت بدل سکتی نہیں (صابر)

عوصلہ و ہمت کی صدائے مستانہ کا جوش قابل داد ہے ؎

شل باہی چل دل سیل رواں کو چیر کر ۔ چھوڑ کشتی کو غم بے بادبانی کب تلک (صابر)

ایک نظم جس کا عنوان "تخلیق عشق" ہے حسن خاتمہ دیکھئے ؎

بن کر ایمیں پکڑے گئے ۔ زنجیر میں جکڑے گئے (صابر)

تاکید عمل کی خوبصورتی ملاحظہ ہو ؎

سیماب پا ہے وقت جو کرنا ہے کر ابھی ۔ عیش سحر یہاں نہ غم شام ہے یہاں (صابر)
تو عمر کھو رہا ہے تن آسانیوں میں آہ ۔ ہمت سے کام لے کہ بہت کام ہے یہاں (صابر)
بے صرفہ قیل و قال ہے گلزار حال میں ۔ حکمت کا مرغ غم مرغ خوش دام ہے یہاں (صابر)

ہندو مسلم فسادوں پر کس انداز میں انتباہ ہے ؎

صلح کے بدلے یہ رہتی ہے لڑائی کیسی ✦ ایک ہی باغ کے پھولوں میں جدائی کیسی (صابر)

دنیا کی فنائیت ظاہر کی ہے ؎

انفصال آفاق کے اک دن جدا ہونے کو ہیں ✦ لہلہاتے بوستاں آخر فنا ہونے کو ہیں (صابر)

جذبۂ عشق ہمیشہ جنوں پسند رہا ہے ؎

عشق میں ممنوع ہے ترکِ جنوں ✦ دل کو قیدِ عقل سے آزاد رکھ (صابر)

رات کا سناٹا اور محبوبہ کی یاد تغزل کا پامال منظر ہے مگر ولی نے کتنے پاکیزہ انداز میں کہا ہے۔ ؎

زمانہ جب اندھیری رات میں خاموش ہوتا ہے ✦ جہاں کا ذرہ ذرہ جب فنا کی نیند سوتا ہے

محبت میرے خوابیدہ تخیل کو جگاتی ہے
خدا جانے تمہیں اس وقت کس کی یاد آتی ہے

ہندی شاعری جن خصوصیات کی بنا پر شیریں و موثر ہے اس کی ایک وجہ اس کی بحروں کی نغمہ آشنائی اور الفاظ کی سادگی ہے۔ ولی کے اثر پذیر دل نے جو موسیقی کی لذتوں کا بھی حریف رہے ہے ہندی اوزان میں بھی اپنے جذبات شعری کا اظہار کیا ہے، پریت کا گیت" کا یہ علاوت آفریں اور دلگداز بند دیکھئے ؎

دنیا ہے اک لوبھ کا مندر ✦ لوبھی بت مندر کے اندر
پوجا کی کلیاں، مایا دھن ✦ پربھو ہت پجاری پریت کے دشمن
من کے گندے تن کے سندر
آہروں سے لوبھ مٹا دے ✦ بنسی کی دھن شیام سنا دے

حق بظاہر حال کیسا ہی نحیف کیوں نہ ہو مگر قدرت اسے ضرور ایسی طاقت بخشتی ہے کہ وہ باطل سے اپنا بچاؤ کرے ؎

شوق سے بال پھیلائے جا بجا دامِ فریب ✦ غیر ممکن ہے کہ کوئی مرغِ کعبہ رام ہو (وحی)

عشق کی دیوانگی شوق اگر اک مستقل داستانِ رسوا ہے تو حسن کی ہمدردی و مہربانی اک افسانۂ خموش ہے ؎

تیرے جلوے بیتابانہ ✦ ہیں ہُوں الفت میں دیوانہ

دونوں کی یکساں حالت ہے ✦ تو افسانہ میں افسانہ

مگر یہ ہمدرد دنیا ایسے جذباتی افسانوں کی ہمیشہ دشمن رہی ہے یا کبازانِ محبت، اس کی خاطر ازیوں سے آنکھیں بند کر کے اپنے شوق و کیف کی ایک الگ دنیا بسانا چاہئے۔ جہاں محبت کے سوا کوئی شے موجود نہ ہو ؎

انسانوں کے دشمن ہیں سب ✦ آدنیا سے ہوں بیگانہ

پریم کی نکھری پھلواری میں ✦ عُمر گزاریں آزادانہ

غزلیات

اردو غزل اپنی چند در چند ناگواریوں اور بدنسائیوں کے لحاظ سے نوجوانوں میں بہت بدنام ہے اور "شے حرام" کی حیثیت حاصل کر چکی ہے۔ لیکن اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ بعض بلند مذاق طبیعتوں نے اس کی معیاری حیثیت کو قائم رکھا اور اسے اس درجہ نکھارا ہے۔ کہ ان کی غزلیات کو بے شبہ ایران کے بہترین غزل گو شعرا کے تغزل کے مقابلے میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ میر تقی میر اور خواجہ درد ایسے ہی بلند مرتبہ غزل طرازوں میں سے ہیں۔ بالخصوص میر جو ایک شاعر کی حیثیت سے ہمیشہ یادگار رہے گا مومن و غالب نے بھی اس پامال ترین صنفِ سخن میں اپنی اپنی طبیعت کی بہار دکھائی ہے۔ اور ان کی غزلوں کا جزو اعظم قابل توصیف و داد ہے۔

ہمارے زمانے میں بعض افراد نے تو غزل گوئی بالکل ترک کر دی ہے۔ اور بعض جو جدید شاعری کو محدود نہیں سمجھتے غزل کو بھی اس کا ایک جزو سمجھ کر اس پر طبع آزمائی کرنے میں بخل سے کام نہیں لیتے۔ ان نوجوانوں میں بڑا گروہ ایسا

ہے جو غزل کی حیثیت کو کما حقہ نہیں سمجھتا لیکن خوشی کی بات ہے کہ صابر دوتی کی غزلیں استثنائی رنگ کی حامل ہیں
بعض اشعار ملاحظہ ہوں ؎

قیامت ہیں محبت کی نمازیں ✦ جبیں اٹھتی نہیں ہے آستاں سے (صابر)

استاد داغ نے کہا تھا ؎

جب ہوا سجدہ میں اُس بت کا خیال ✦ خود بخود گردن ہماری اٹھ گئی

لیکن صابر صاحب اس منزل میں ہیں جہاں ۔ ع

اصل سجود و ساجد و مسجود ایک ہے

بلکہ سجدہ گاہ و مسجود کا تفرقہ یکبارگی اٹھ جاتا ہے۔

مومن مرحوم کے رنگ میں یہ شعر دیکھئے تغزل کی کیسی پاکیزہ مثال ہے ؎

اے بخت تیرہ پہنچے وہ بزم طرب میں ✦ شب تھی کہاں ہوا ہے طلوع سحر کہاں (صابر)

اس شعر کی پاکیزہ زبان دیکھئے ؎

تمہاری خوشی کو خوشی جانتے ہیں ✦ خدائی قسم ہم یہی جانتے ہیں (صابر)

ایک غزل کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں ؎

مجھے معلوم ہے موسیٰ نے جو کچھ طور پر دیکھا ✦ کہ مدت تک رہا ہوں میں تجلی گاہ ہوں میں (صابر)

تبولیت نہیں ہے دور کچھ شان کریمی کی ✦ مجھے واعظ خدارا غرق رہنے دے گناہوں میں

فلک سے کیا کروں میں شکوۂ رنج والم صابر

کہ وہ خود بھی تو ہے اس فتنہ گر کے داد خواہوں میں

میرزا غالب کا مشہور شعر ہے ؎

میں نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسد ✦ سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

ولی نے بھی یہی خیال ادا کیا ہے۔ اور خوب ادا کیا ہے ؎

اے ولی دیکھ کسی مست کے دامن کو نہ چھیڑ ✦ بے خبر اپنا گریباں تجھے کیا یاد نہیں

شاہد فطرت پردے میں ہو کر بھی محض ادائے پردہ سے تماشائیوں کو غرق حیرت کر دیتا ہے ؎

ہوئے ہیں نقش بدیوار دیکھنے والے ✦ ابھی وہ آئینہ سیما ہے رخ چھپائے ہوئے (ولی)

ذیل کے شعر میں تشبیہ کی بہار دیکھئے ؎

وہ چشم مست ہے سرمہ سا کیا لگائے ہوئے ✦ کہ تیکدے پہ ہے ابر سیاہ چھائے ہوئے (ولی)

قربانی وفا کی انتہا ہے اور ہر سچے عاشق کا یہی مذہب ہے ؎

مجھے آتش حسن سے خاک کر دے ✦ جفا کرنے والے وفا چاہتا ہوں (ولی)

"درد کا حد سے گذرنا ہے دوا ہو جانا" کی کتنی بلیغ اور دلآویز تائید ہے۔ ساتھ ہی "رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہوں رہزن کو" کی در پردہ حقیقت بھی پیش نظر رکھئے ؎

بچایا مجھ کو طوفان حوادث کے تھپیڑوں سے ✦ خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے موج طوفاں کو (ولی)

گناہوں کی ندامت کے آنسو دل سے محبت تم کا لنگ دھو دیتے ہیں ؎

مرے دامن سے دھل جائے کثافت داغ عصیاں کی
الٰہی بخش دے پاکیزہ آنسو چشم گریاں کو (ولی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۵

حصّۂ اوّل

بندگی و خواجگی

آہ! اے مزدور! اے غم قسمت واندوہ گیں
کہہ رہی ہے زندگی تیری کہ تو انساں نہیں"

خواجہ بے زحمت اٹھائے نعمتوں کی لذتیں
اور محنت کے عوض پائے نہ تو نانِ جویں

قوم، تہذیب، امتیاز رنگ و خوں، شاہی، وطن
دہر میں تیری تباہی کیلئے کیا کیا نہیں

روس میں برطانیہ میں، چین میں جاپان میں
راندۂ قسمت! اماں ملتی نہیں تجھ کو کہیں

جو بھرے سرمایہ داروں کے خزانے بے دریغ
آہ! بے دولت رہے وہ دستِ دولت آفریں

لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی کو یاد کر

اپنی اس اُجڑی ہوئی دُنیا کو پھر آباد کر

ناامیدی کا سبب تیری زبوں حالی نہیں — حادثوں سے دب نے والی ہمتِ عالی نہیں

محفلِ جمہوریّت کے حُسنِ ظاہر کو نہ دیکھ — آہ! یہ لیلائے استبداد سے خالی نہیں

توڑتا ہے وہ ترے گلزار سے چُن چُن کے پھول — جس کو تو مالی سمجھ بیٹھا ہے وہ مالی نہیں

قلزمِ ہستی میں امواجِ حوادث سے نہ ڈر — تیری کشتی ورطہ میں بھی ڈوبنے والی نہیں

بلبلِ ناداں! بہا رو کر بنالے گلستاں — مانعِ نظارۂ گُل بے پر و بالی نہیں

آہ! تُو کب تک رہے گا نوحہ خوانِ بندگی

توڑ دے ہمت سے زنجیرِ گرانِ بندگی

اے گرفتارِ قفس! یہ نوحہ خوانی کب تلک — مرہمِ زخمِ غمِ بے آشیانی کب تلک

دیکھ! آنکھیں کھول کر اپنی مروت کا اثر — دشمنانِ میزباں کی میہمانی کب تلک

اُٹھ! اور اُٹھ کر قوتِ بازو کے جوہر دکھا — خواجہ تیرے خون کو سمجھیگا پانی کب تلک

مثلِ ماہی چل! دلِ سیلِ رواں کو چیر کر — چھوڑ کشتی کو غمِ بے بادبانی کب تلک

پھونک دے برقِ نفس سے کشتِ زارِ خواجگی — مُردہ رُوحی کب تلک افسردہ جانی کب تلک

گردشِ ایام کا اب اور ہی کچھ رنگ ہے
بندگی و خواجگی میں احتمالِ جنگ ہے

ظلم کی کھیتی ہمیشہ پھول پھل سکتی نہیں — اب جہاں میں خواجگی کی دال گل سکتی نہیں

تیرے بدلے خواجہ کو کھانی پڑے گی نانِ جَو — نعمتوں ہی سے ہمیشہ توند پل سکتی نہیں

جن گھروں میں آج تک جلتے رہے گھی کے چراغ — اب وہاں پر شمعِ فرسودہ بھی جل سکتی نہیں

اب بنائی جائے گی دنیا بنائے تازہ پر — انقلابِ چرخ کی فطرت بدل سکتی نہیں

دے مشیت کی صداقت پر گواہی بے خبر! سعی سے آئی ہوئی تقدیر ٹل سکتی نہیں

خاتمہ ہونے کو ہے اب خواجگی کے جور کا

خوش ہو اے مزدور! وقت آیا ہے تیرے دور کا

تخلیقِ عشق

تاریک تھے دونوں جہاں خاموش تھے کون و مکاں

چُپ تھے زمین و آسماں طاری تھا اِک ہُو کا سماں

پَر تو پڑا کچھ دُور سے

حُسنِ ازل کے نُور سے

یہ نورِ مطلق نور تھا یعنی چراغِ طور تھا
جو کچھ قریب و دور تھا انوار سے معمور تھا
دونوں جہاں روشن ہوئے
کون و مکاں روشن ہوئے

تارے فرازِ آسماں آپس میں تھے چشمک زناں
مہتاب تھا پر تو فشاں تھا اپنی ضو میں گم نشاں
کیا ہی سہانا وقت تھا
عالم تھا فرحت زا تما

طائر تھے سب نغمہ سرا گل ہنس رہے تھے جا بجا
غنچہ ابھی تھا بند سا چٹخا وہیں اور کھل گیا

اور ہنس کے یوں کہنے لگا

ہستی کی ہے یہ ابتدا

اے لو! وہ اک بادل اُٹھا کیا آرہا ہے جھومتا

ہلکا سا پیکر آب کا ناز آفریں جل دیوتا

رفتار کیسی تیز ہے

کتنی مسرت خیز ہے

بے مے پئے مے نوش ہے مے نوش ہے مدہوش ہے

مدہوش ہے، بے ہوش ہے بے ہوش ہے خاموش ہے

دُنیا و دیں سے بے خبر

سرمستِ عشرت سر بسر

پھر چرخ فتنہ ساز سے باراں ہُوا انداز سے
شوخی سے کچھ کچھ ناز سے کچھ سوز سے کچھ ساز سے
سیراب گلشن کر دئے
شاداب گلشن کر دئے

اس وقت خلّاقِ جہاں یعنی خُدائے اِنس و جاں
شانِ کریمی میں نہاں کرنے لگا قُدرت عیاں
تخلیق کا ساماں کیا
پیدا نیا ساماں کیا

گلشن سے لی آبِ چمن لالہ سے خونیں پیرہن
سُنبل سے زلفِ پُرشکن غنچوں سے سربستہ دہن

ویرانیِ صحرا بھی لی

طغیانیِ دریا بھی لی

پھولوں سے لیں گلکاریاں شبنم سے دریا باریاں

بلبل سے آہ و زاریاں بجلی سے شعلہ باریاں

ہر ایک سے کچھ لے لیا

حسبِ طلب سب سے لیا

بے تابیاں سیماب سے کچھ ماہی بے آب سے

کچھ ساز سے مضراب سے کچھ مہرِ عالمتاب سے

چشموں سے تو رش لی گئی

بحروں سے جوشش لی گئی

اِن ساری چیزوں کو لیا اَور چشمۂ حیواں پہ آ
پانی کا اِک چھینٹا دِیا چھینٹا مگر ہلکا سا تھا

"عِشق" اُس مرکّب کو کہا
اِنسان کو تھوڑا سا دِیا

اِنساں نے جب دیکھا اِسے دیکھا اِسے پرکھا اِسے
شانِ خُدا پایا اِسے دِل میں نہاں رکھا اِسے

بن کر اِیں پکڑے گئے
زنجیر میں جکڑے گئے

مسلمِ ہندوستان

(غازی امان اللہ خان تاجدارِ افغانستان کے دورِ اصلاحات کے تاثرات)

چمک کر مسلمِ ہندوستاں! برقِ طپاں ہو جا
جہانِ تیرہ و تاریک میں اب ضوفشاں ہو جا
کہیں گہرائیوں میں گر چکی ہے صولتِ افغاں
علم بردارِ اصلاحِ امان اللہ خاں ہو جا
رہا ہو حلقۂ لیل و نہارِ دہر سے غافل
تو آزادِ ازل ہے حریت کا پاسباں ہو جا

فسردہ ہوگئیں شمعیں شبستانِ محبت کی
شرار آسا تڑپ کر آفتابِ آسماں ہوجا

اسی پردے کے نیچے ہے نہاں رمزِ مسلمانی
خودی کو ترک کردے، بے خودِ کون و مکاں ہوجا

تری ہستی میں مضمر ہیں شعاعیں نورِ ایماں کی
صدف کے کام میں نیساں صفت گوہر فشاں ہوجا

ہے گردابِ الم میں غرق زورق نوعِ انساں کی
خدارا ناخدائے کشتیِ عمر رواں ہوجا

تری کم بینیوں کی دھجیاں اڑتی ہیں کابل میں
اگر باچیز قطرہ ہے تو بحرِ بیکراں ہوجا

نہ مٹ جائے کہیں وہ آبروئے ملّتِ بیضا
جہاں گیری ترا مقصود ہے تیغِ رواں ہو جا

اُسی گرمی سے گونج اٹھیں اذانیں اہلِ ایماں کی
بلالی شان سے دینِ خدا کا ترجماں ہو جا

کسوٹی پر پرکھ لے نقدِ استبداد و مشروطہ
جو مرنا ہے تو مرجا ورنہ عمرِ جاوداں ہو جا

برافگن از رخِ خود سترِ "از کن فکانی" را
بروئے جلوہ آور درجہاں سوزِ نہانی را

صبا

اے صبا! کس شہر سے آتی ہے تو
کون ہے اور کیا نوا گاتی ہے تو

باغ کے ہر غنچۂ بے رنگ میں
کہکشانی حُسن دکھلاتی ہے تو

پھول مہکا، سبزہ ہے بہکا ہُوا
وادیوں پر کیف برساتی ہے تو

تاکہ گُل کی شاخِ نازک خم نہ ہو
ہلکے ہلکے سے چلی آتی ہے تو

سترِ نادیدہ میں تو پوشیدہ ہے
دیدۂ ظاہر سے شرماتی ہے تو

تجھ کو دیکھا بھی ہے دیکھا بھی نہیں
روح کی صورت نظر آتی ہے تو

معنوی کیف آئے کیا الفاظ میں
کیا کہوں کیا دل کو برماتی ہے تو

ہاں! تجھے محسوس کرتا ہوں ضرور
میرے محسوسات گرماتی ہے تو

یعنی جب وہ یاد آتے ہیں مجھے

میری سرد آہوں میں ڈھل جاتی ہے تُو

سرمایۂ و محنت

اے بندۂ مزدور! عجب ہے تری حالت — بیگانہ تری جیب سے کیوں رہتی ہے دولت

باعث تری ذلّت کا تری سادہ دلی ہے — ہیں مکر سے سب اہلِ دوَل صاحبِ عزّت

گردابِ الم میں ہے تری زورقِ ہستی — وُہ بھی ہے کوئی نیست کہ ہو خُوگرِ کُلفت

آزادی سے ہوتی ہے غلامی کی تباہی

اس بحر کا دل چیر کے جل صُورت ماہی

اِک سوزِ نہاں پیکرِ خاکی سے عیاں کر ہر سانس کو ہاں! برق صفت شعلہ فشاں کر
ہمّت ہے تو کشنیز ہے اک کوہِ گراں بھی اُٹھ! خرقۂ افلاس میں دولت کو نہاں کر
اِس گلشنِ ہستی میں یہی رسم ہے ناداں! جینے کی تمنّا ہے تو لب وقفِ فغاں کر

سرمایہ کو محنت کی کسوٹی پہ پرکھ لے
کھوٹا جو ہو ٹھکرا دے، کھرا جو ہو وہ رکھ لے

شعاعِ آفتاب

طلسمِ عالمِ بالا کی چھوڑوں زینت افزائی فلک کے آستاں کی ترک کردوں ناصیہ سائی
قمر کی اور ستاروں کی چمکتی انجمن چھوڑوں نہ کہلاؤں کرن میں اور نہ ہوں کرنوں کی ہمسائی

مرا نقشہ سراسر ہے عدم آباد کا منظر　　مرا شغل دوا سی ہے فنا کی راہ پیمائی

کرن بن کر زمانے میں مجھے رہنا نہیں بھاتا　　ہوا جب دن ملی ہستی ہوئی جب رات موت آئی

اُسے بھی زندگی کہتے ہیں جو دن بھر رہے قائم

وہ جینا کیا؟ اجل جس کی ہو ہر لحظہ تقاضائی

اگر ہوتا مرے بس میں نہ ہرگز میں کرن بنتی　　کسی کی زلفِ شبگوں بن کے کرتی چہرہ آرائی

کوئی اک بار بھی جب دیکھ پاتا میری آرائش　　تو جان و دل سے ہو جاتا تصدق اور شیدائی

کئی میری طلب میں دین و دُنیا ترک کر دیتے　　کئی کرتے مرے غم میں عدم کی راہ پیمائی

جو اس حالت میں بھی پڑتا الجھنا مجھ کو شانے میں

کہ ہے انجامِ حُسنِ عارضی آخر کو رسوائی

لپک کر میں چراغِ انجمن کا شعلہ بن جاتی　　مری الفت میں جل مرتے تپنگے ضو کے شیدائی

مرا جلوہ مرے عشاق کو خلدِ نظر ہوتا　　چراغِ طور مجھ کو جانتے میرے تمنائی

چراغِ بزم بھی لیکن سحر ہوتے ہی بجھ جاتا　　قضا کے در پہ آخر سب کو کرنی ہے جبیں سائی

زمانے کی یہ سب چیزیں شکست انجام ہیں آخر　　نہ کیوں وہ شے بنوں جس کو تقاسے ہو شناسائی

وہ جینا کیا، رہے جس میں ہمیشہ خوف مرنے کا

وہ ہستی کیا، رہے جس پر ہمیشہ نیستی چھائی

کوئی عاشق کہیں جو دور ویرانے میں رہتا ہو　　کسی کے عشق نے جس کو بنا رکھا ہو سودائی

جسے دنیا کی آبادی میں دم بھر کل نہ پڑتی ہو　　جسے عزلت گزینی میں پسند آئی ہو تنہائی

بنا رکھا ہو جس کو تارِ دامن ناتوانی نے　　کروں میں تارِ دامن بن کے اُسکی دامن آرائی

ہماں بہتر کہ لیلےٰ در بیاباں جلوہ گر باشد　　ندارد ننگنائے شہر تابِ حُسنِ صحرائی"

خیالِ یار میں پُرزے اُڑا مجھ جیب و داماں کے　　جنوں کا شوق دیوانے کو ہو سامانِ رسوائی

بڑھائے بے محابا جوش میں جب ہاتھ دامن پر　　تجھے بھی چاک کر دے پنجۂ وحشت کی گیرائی

کشاکش میں فنا ہو کر حیاتِ جاوداں پاؤں

اثر اک دل جلے کے جوش کا دنیا کو دکھلاؤں

جنگِ اُحد کا ایک واقعہ

کافروں نے دی اُڑا جنگِ اُحد میں یہ خبر　　اُڑ گیا ہے بر سرِ میداں پیمبرؐ کا بھی سر

اُڑتی اڑتی ارضِ یثرب میں جو پہنچی یہ خبر　　ہر گلی کوچے میں سیلابِ الم تھا جوش پر

رنج کی کالی گھٹائیں ہو گئیں دلہام بجاں　　چرخ بھی کرنے لگا گویا سرشک آشامیاں

ملتِ بیضا کے سر پر رنج کا ٹوٹا پہاڑ　　صبر و استقلال کے جس نے دیئے پاؤں اکھاڑ

آ گئے باہر گھروں سے مضطرب ہو کر سبھی — طفلک و برنا و پیر و خیل و محتاج و غنی
وہ بھی میداں میں نکل آئیں جو تھیں پردہ نشیں — ہر در و دیوار کا منظر تھا وحشت آفریں
ایک انصاریہ کہ دختر تھی نبو دینار کی — رنج کے ہاتھوں بہت بیچین و بے آرام تھی
بے تحاشا دوڑ کر آئی سرِ بوم و فضا — جب اُسے دیکھا تو کوئی لشکری کہنے لگا
لڑتے لڑتے تیرے بھائی نے شہادت پائی ہے — بر سرِ میداں ترے والد کو بھی موت آئی ہے
سب سے بڑھ کر یہ کہ شوہر بھی ترا مارا گیا
کیا بتائیں آہ! تیرا گھر کا گھر ویراں ہوا"

اتنا سُنکر بھی ہم ہوش و حواس اُس کے رہے — وہ عفیفہ یوں لگی کہنے سکون و ضبط سے
مر گیا ہے خیر! شوہر بھی پدر بھی بھائی بھی — یہ تو بتلاؤ کہ کیسے ہیں رسولِ ہاشمیؐ"
یکزباں ہو کر پکارے اہلِ لشکر سب کے سب — شکر ایزد ہے کہ زندہ ہیں شہنشاہِ عربؐ

گرچہ جسمِ پاک پر آئے ہیں کچھ زخمِ شدید ہو گئے ہیں چار دندانِ مُبارک بھی شہید

آگے بڑھ کر اُس نے جب دیکھا رُخِ انور گیں بول اُٹھی "تو سلامت ہے تو کوئی غم نہیں

باپ شوہر اور برادر کا نہیں کچھ غم مجھے چاہیے ہر وقت دیدِ شاہِ دو عالم مجھے

اے محمدؐ تیرے سر پر گیتی و گردوں فدا

دنیوی ساماں ہے کیا، لوح و قلم کردوں فدا"

جگنو

جگنو! ترے وجود میں پوشیدہ سوز ہے

دُنیائے عاشقی میں تو تاریک روز ہے

تنہائیوں کے شوق میں عُزلت فروز ہے
نکلا ہے کُنجِ گوشۂ گلشن میں رات کو
تو اِک شعاعِ قافلۂ ماہتاب ہے
پسماندگی میں خوگرِ صد پیچ و تاب ہے
سوزِ دروں سے پیکرِ پُرالتہاب ہے
کیا ڈھونڈتا ہے کھوئی ہوئی کائنات کو؟
یا اِک ستارہ ہے کہ ستاروں کی فوج سے
تسخیرِ گُل کے واسطے اُترا ہے اَوج سے
لڑتا ہے سیلِ رنگ سے نکہت کی موج سے
پھسلا نہ دے صبا ترے پائے ثبات کو

تو اپنی آپ شمع ہے پروانہ اپنا آپ
بے خوف نغمۂ جلوہ و نظّارہ کے لاپ
مقصودِ زیست ہے ترا تجھ سے ترا ملاپ
اپنے میں دیکھ جلوہ گریہائے ذات کو
پھرتا ہے تیرگی میں بھٹکتا ہُوا کہاں
پرویں کے لالہ زار میں ہے تیرا آشیاں
تیرے بغیر اداس ہے پنہائے کہکشاں
اے کاش! جانتا تُو رموزِ حیات کو

دُنیائے عمل

یہ میکدہ ہے مائدۂ عام ہے یہاں
ساقی کے دم سے سلسلۂ جام ہے یہاں

افسانہ ہے معاملۂ دوزخ و بہشت
آغاز ہے یہاں ترا انجام ہے یہاں

سیماب پا ہے وقت جو کرنا ہے کر ابھی
عیشِ سحر یہاں نہ غمِ شام ہے یہاں

خطراتِ زندگی سے جو ڈرتا ہے آدمی
وہ بستۂ سلاسلِ آلام ہے یہاں

تو عُمر کھو رہا ہے تن آسانیوں میں آہ!

ہمّت سے کام لے کہ بہت کام ہے یہاں

بے صرفۂ قیل و قال ہے گلزارِ حال میں

حکمت کا مُرغ، مُرغِ تہِ دام ہے یہاں

اپنے قویٰ کو پنجۂ دیوانگی میں دے

جو ذی شعور ہے یہاں ناکام ہے یہاں

بیدار زندگی ہی کو کہتے ہیں زندگی

غفلت، شکارِ گردشِ ایّام ہے یہاں

اہلِ عمل ہیں قافلہ سالارِ زندگی

پسماندگی، نتیجۂ اوہام ہے یہاں

علمِ فسردہ جاں کو شگفتہ عمل سے کر
تسخیرِ مشکلات کی بازو کے بل سے کر

دِل

(۱)

کہا یہ شمع سے مَیں نے کہ تو ہے کیوں غم کار ہے غارِ عشق تے تیرا جگر خلش بکنار
گدازِ رنج میں روتی ہے خُون کے آنسو ہے میرے دل کی طرح تیرا دِل بھی آتشبار
وُہ رو کے بُجھ گئی محفل میں اَور کُچھ نہ کہا

(۲)

کہا یہ پھُول سے مَیں نے کہ تو ہے کیوں چاک کیا ہے کس نے تُجھے قتلِ غمزۂ بیباک

لہو لہو ترا پیکر ہے، اشک اشک آنکھیں ہے میرے دل کی طرح تیرا دل بھی حسرتناک؟
چھپا وہ برگ کے محمل میں اور کچھ نہ کہا

(۳)

کہا یہ موج سے میں نے کہ تو ہے کیوں بیتاب ہمیشہ رہتی ہے کس جستجو میں پا بہ رکاب
کسی لگن کی تڑپ ہے کہ تیری فطرت ہے ہے میرے دل کی طرح تو بھی غیرتِ سیماب؟
تڑپ کے کھو گئی ساحل میں اور کچھ نہ کہا

(۴)

کہا یہ برق سے میں نے کہ تو ہے کیوں مضطر بھری ہے نور سے تو یا ہے آتشیں پیکر
اگر رہی ہے خوشی میں تو فتح کا پرچم کہ جل رہی ہے شرارِ شکست کے اندر
وہ کوند آئی مرے دل میں اور کچھ نہ کہا

سپاہی کا گیت

(۱)

وہ مشرقی جواں اُٹھا

سپہریوں پہ چھا گیا

نجوم و مہ کی فوج کا

نہیں ہے مُطلقاً پتا

وطن کے کارزاریو! بڑھے چلو، بڑھے چلو

وطن کے کارزاریو!

(۲)

طلوعِ کارِزار ہے

تمہارا انتظار ہے

بڑھو کہ وقتِ کار ہے

وہ فتح کا منار ہے

وطن کے کارزاریو! بڑھے چلو بڑھے چلو

وطن کے کارزاریو!

(۳)

بلا کے نوجواں ہو تم

دغائی بجلیاں ہو تم

بہادری کی جاں ہو تم

وطن کے پاسباں ہو تم

وطن کے کارزاریو! بڑھے چلو بڑھے چلو

وطن کے کارزاریو!

(۴)

بڑھو دہاڑتے ہُوئے

صفیں اُکھاڑتے ہُوئے

اُنہیں پچھاڑتے ہُوئے

عَلم کو گاڑتے ہوئے

وطن کے کارزاریو! بڑھے چلو بڑھے چلو

وطن کے کارزاریو!

(۵)

یہ لشکرِ جشم ہے کیا؟

یہ توپ کیسا؟ یہ بم ہے کیا؟

کھلی رہِ عدم ہے کیا؟

بہادروں کو غم ہے کیا؟

وطن کے کارزاریو! بڑھے چلو، بڑھے چلو

وطن کے کارزاریو!

(۶)

عدو کی سختیاں سہو

ستم کے سیل میں بہو

مگر نہ لب سے اُف کہو

لڑائی پر تنے رہو!

وطن کے کارزاریو! بڑھے چلو بڑھے چلو

وطن کے کارزاریو!

(۷)

وغا کے جور اور ستم

نہیں ہیں راحتوں سے کم

جو ہے ہمارے دم میں دم

تو کیا مصیبتوں کا غم

وطن کے کارزاریو! بڑھے چلو بڑھے چلو

وطن کے کارزاریو!

(۸)

غنیم ہے درازدست

شراب زور میں ہے مست

نہ دے سکے گا پر شکست

بناؤ حوصلے نہ پست

وطن کے کارزاریو! بڑھے چلو بڑھے چلو

وطن کے کارزاریو!

(۹)

جوان لشکری ہو تم!

بہت بڑے جری ہو تم

سرِ بہادری ہو تم

بلند اختری ہو تم!

وطن کے کار زاریو! بڑھے چلو بڑھے چلو

وطن کے کار زاریو!

(۱۰)

زمینِ جنگ اُکھاڑ دو

قبائے رزم پھاڑ دو

غنیم کو پچھاڑ دو

لوائے فتح گاڑ دو

وطن کے کار زاریو! بڑھے چلو بڑھے چلو

وطن کے کار زاریو!

فلسفۂ عشق

جملہ موجودات میں ہے رُونما ہیجانِ عشق
قطرے قطرے میں نہاں ہے جوششِ طوفانِ عشق

خندۂ گُل، گریۂ شبنم، فغانِ عندلیب
صُنعِ گلشن ہے مرتا سر تہ عنوانِ عشق

گر شمائم حُسن کے ہیں عطر پاش آفاق میں
مستفیضِ لطفِ نکہت ہے مشامِ جانِ عشق

ذرّہ ذرّہ عشق کا چشمک زنِ خورشید ہے
منبعِ نورِ ازل ہے عارضِ تابانِ عشق

تازہ نکہت کیوں نہ باغِ حُسن کا ہر پھول ہو
سینچتا خونِ جگر سے ہے اُسے رضوانِ عشق

شبلیؒ و منصورؒ و سلمانؑ و اویسؓ و بایزیدؒ
ہے اُگلتی کس قدر لعلِ درخشاں کانِ عشق

عشق پنہان است در زیرِ نقابِ آگہی
ذرّۂ او مشرقِ صد آفتابِ آگہی

شاعر اور ابرِ آخریں

"شاعر"

آہ اے برسے ہوئے ساون کے ابرِ آخریں
اب نہیں تجھ میں وہ غوغا وہ خروشِ اوّلیں

تو کسی درماندۂ منزل کی صورت ہے نڈھال
صرصرِ صحرا کا ہے اک گردِ بادِ واپسیں

بجلیاں تیری ہیں محرومِ شعارِ اضطراب
وہ تڑپ تجھ میں نہیں ہے وہ گرج تجھ میں نہیں

تیری بے روحی عیاں تیری گراں پائی سے ہے
تو ہے اک گذرے ہوئے سیلاب کی موجِ خریں

دیکھ اڑتے ہیں لہو تیری زبوں حالی پہ پھول
اب تو اُمیدِ دلِ گلزار بن سکتا نہیں

ہے دلیلِ سوزِ پنہاں تیرا پیچیدہ دھواں
کیا نہ تھا تو واقفِ انجامِ ترکِ کارواں"

"ابرِ آخیریں"

مّیری حالت دیکھ لی ہے اپنی کیفیت بھی دیکھ
دوسروں پر رونے والے ماتمِ ملّت بھی دیکھ

چشمِ دل سے کر ورقِ گردانیِ تاریخِ دیں
اپنی ناکامی بھی دیکھ اسلاف کی نُصرت بھی دیکھ

شوقِ دینداریِ کافر کا تماشائی بھی ہو
مسلمِ غافل کی آزادیِ معصیّت بھی دیکھ

تیرے آبا پنجہ زن، تو بندۂ بے دست و پا
اُن کی شیرت بھی دیکھ اپنی شغالیت بھی دیکھ

دوش کا نظارہ کر آئینہ امروز میں
شوکتِ ماضی بھی دیکھ اور حال کی ذلّت بھی دیکھ

دبدبہ تیرا وصالِ ملّتِ بیضا میں ہے
قطرۂ ناچیز طوفانِ گراں دریا میں ہے"

احساسِ گناہ

مری آنکھوں سے آنسو بہ نکلنے کو تڑپتے ہیں
گناہوں پر مجھے شرمندگی محسوس ہوتی ہے

لہو بجلی کی صورت دوڑتا ہے ہر رگ و پے میں
سراپا درد مجھکو زندگی محسوس ہوتی ہے

یقیناً عیش پیہم ہے نتیجہ رنجِ بے حد کا
دلِ تاریک میں تابندگی محسوس ہوتی ہے

نوحۂ ہندوستان

ہے مقامِ گریہ آج اے دیدۂ خونفشاں — ہو گیا صحرا سے بدتر گلشنِ ہندوستاں

کیفیت زا تھی یہاں بادِ بہار مشک بیز — اور ہر اک پھول سے تھا جلوۂ قدرت عیاں

عطر ساماں تھا یہاں ہر غنچۂ رنگیں قبا — یعنی یہ گلزار تھا رشکِ چمن زارِ جناں

اس بہارستاں پہ اہلِ ہند کو تھا افتخار — آج ہمرنگِ قفس ہے طائروں کو آشیاں

خرمنِ باطل پہ ہر موجِ نفس تھی برق ریز — سوزشیں اتنی تھیں اہلِ دل کے سینوں میں نہاں

اس قدر اب رائدۂ تقدیر حالت ہو گئی

داستاں سرمایہ دارِ درسِ عبرت ہو گئی

خانۂ ویراں کی اب ممکن ہے آبادی کہاں — نوحۂ رنج والم ہے نغمۂ شادی کہاں

آہ! ملکِ ہند کے وہ تیغ زن ہی مٹ گئے — اب دکھائے جوہر اپنے تیغِ فولادی کہاں

مسلم و ہندو ہیں زنجیرِ غلامی کے اسیر — باہمی نااتفاقی ہو تو آزادی کہاں

موجزن ہو جائے ہر دل میں جو میلِ اتحاد — بیم و ویرانی کہاں پھر خوفِ بربادی کہاں

سب گراں گوشِ اس گلستاں میں ہیں جتنے پھول ہیں — وائے رے منقار اپنی مرغِ فریادی کہاں

اُف! کسی دل میں نہیں ہے فکرِ ناموسِ وطن
رو رہی ہے خوں کے آنسو چشمِ مایوسِ وطن

ریحانہ سے

(۱)

ریحانہ آؤ گی کب تک — رستہ دکھلاؤ گی کب تک

وعدوں کی حد بھی ہے کوئی بہلاتی جاؤ گی کب تک
ساون بھی روتا ہے مجھ پر دریار لواؤ گی کب تک
یہ بھیگے دن بھیگی راتیں آخر ترساؤ گی کب تک
خط بھیجا تھا آئیں گے ہم آؤ بھی آؤ گی کب تک

آؤ بھی آؤ گی کب تک

آؤ ریحانہ! آ جاؤ

آؤ ریحانہ! آ جاؤ

(۲)

چاہت کی بازی میں پیاری مَیں نے مَن کی مایا ہاری
تُو موہن جوبن کا مندر مَیں مندر کا پریم پجاری

کیو پڈنے وہ ناوک مارا ہردے میں گھاؤ ہے کاری
اب تو مَیں غم میں کھویا ہوں تیری بھی آئے گی باری
پریم کا پھندا وُہ پھندا ہے جس کے قیدی ہیں نرناری

جس کے قیدی ہیں نرناری
آؤ ریحانہ! آجاؤ

آؤ ریحانہ! آجاؤ

(۳)

تیری فرقت میں روتا ہوں غم سے دیوانہ ہوتا ہوں
دن بھر بیتابی ہے مجھ کو راتوں کو بھی کب سوتا ہوں
دیکھوں کیا پھل لائے کھیتی اشکوں کے دانے بوتا ہوں

بھرتا ہُوں آہوں پر آہیں، رُوپ جوانی کا کھوتا ہُوں
اِک دن تُو بھی میری ہو جا مَیں ہر دم تیرا ہوتا ہُوں
مَیں ہر دم تیرا ہوتا ہُوں
آؤ ریحانہ! آجاؤ!
آؤ ریحانہ! آجاؤ

(۴)

دیوانوں کی ریت رہی ہے دِل کو غم سے پریت رہی ہے
دُنیا کے پیچھے کیا لگنا دُنیا کس کی میت رہی ہے
یاد آتی ہے رہ رہ کر تُو یُونہی دل کو جیت رہی ہے
دل کو کیوں کرتی ہے ویراں اِس میں تیری پیت رہی ہے

آخر جھوٹے وعدے کب تک ؟ دیکھ! جوانی بیت رہی ہے

دیکھ! جوانی بیت رہی ہے

آؤ ریحانہ! آجاؤ!

آؤ ریحانہ! آجاؤ

(۵)

مَیں بیراگی تو بیراگن دونوں کا پن ہے پگلا پن،

پگلا پن بھی وُہ پگلا پن، دُنیا بھر ہے جس کی دشمن

آ مِل کر دونوں کر لیں سَر غم کا رَن بھی ہے کوئی رَن

بستی کے باسی حاسد ہیں آ کر لیں صحرا میں مسکن،

پریم نگر میں گم ہو جائیں آبادی سے بہتر ہے بن

آبادی سے بہتر ہے بَن

آؤ ریحانہ! آجاؤ

آؤ ریحانہ! آجاؤ

(۶)

پریم نہیں گر مَن کے اندر　　مَن ہے بے مُورت کا مندر

دھرتی ہم کو راس نہ آئی،　　آؤ ڈھونڈیں اب اور کوئی گھر

اُڑ کر پریم کے طیارے میں　　ہم پہنچیں آکاش کے اوپر

چاند کے ہالے میں بَس جائیں　　نُور میں ہو نُورانی پیکر

اَور مِل کر وُہ راگ الاپیں　　تارے ناچیں جس کی لَے پر

تارے ناچیں جس کی لَے پر

آؤ ریحانہ! آجاؤ

آؤ ریحانہ! آجاؤ

طلوعِ آفتاب

شاہِ خاور، توسنِ آتش پہ نکلا ہے سوار — آگے آگے ہیں شرر پوشوں کی فوجیں بیشمار

نیزہ و تیر و تفنگ و خنجر و تیغ و تبر — کس قدر برنوں میں آئی ہے شعاعِ شعلہ بار

روند ڈالا افسرِ مہتاب کو پاؤں تلے — لشکرِ سیارہ پر نافذ کیا حکمِ فرار

لکّہ ہائے ابر پر پھینکی شعاعوں کی کمند — مست ہاتھی کر لئے مغلوب بندِ حلقہ دار

اشہبِ شب کو لگائی ضربِ مہمیز گریز — خرمنِ انجم پہ بے باکانہ برسائے شرار

قدرتِ خاموش کو بخشا قیامت کا خروش — کائناتِ پُرسکوں کو کر دیا ہنگامہ زار

مُسلمِ خوابیدہ! اُٹھ تو بھی بروئے کار ہو

ضیغمِ دشتِ عرب بیدار ہو! بیدار ہو

معرکہ آرا سرِ عالم ہو مثلِ آفتاب — برق سے دے ذوالفقارِ زنگ آلودہ کو آب

رائتِ اسلام کو کر پرچم افزائے ہلال — سیل ہے رہوار تیرا، موج ہے تیری رکاب

نیام کے پردے میں کیوں ہے تابشِ سیفِ الٰہی — خوشتر آزادِ محل ہی ہے لیلیٰ کا شباب

پھونک دے برقِ نفس سے کشتِ غیر اللہ کو — کیوں چھپا رکھا ہے سوزِ نعرہ ہائے بوتراب

آتشِ نمرود کو گلزارِ ابراہیمؑ کر — بھر دے مینائے تو ہم میں صداقت کی شراب

بندۂ مزدور کو اپنی اماں گیری میں لے — راکھ کر دے خواجگی بنکر شرارِ انقلاب

حق نے بخشی ہے تجھے ساقی گری اقوام کی

آہ! کیوں بزمِ جہاں پیاسی ہے تیرے جام کی

..... کی رنگین یاد

(کشمیر کی سرزمین "شعر و شباب" کی فریبکاریاں)

(۱)

کس درجہ کیف بار ہے کشمیر کی فضا
مہکے ہوئے پہاڑ ہیں بہکی ہوئی ہوا
سرسبز وادیوں میں پرندے ترانہ زا
شاداب کھیتیوں میں ہرا ول کی انتہا
اس دلکشا بہار میں یاد آئیے نہیں، تڑپائیے نہیں مجھے تڑپائیے نہیں

(۲)

یہ سلسلے دمن کے یہ چشمے یہ آبشار
خاموش وادیوں میں یہ نغماتِ جوئبار
یہ باغ اور باغ میں یہ سایۂ چنار
یہ راغ اور راغ میں یہ بادِ بیدزار
اس دلکشا بہار میں یاد آئے نہیں، تڑپائے نہیں مجھے تڑپائے نہیں

(۳)

روحِ خمار و کیف ہے میخانۂ نشاط
جاں آفریں ہے دعوتِ پیمانۂ نشاط
دوشیزۂ برہمن و کاشانۂ نشاط

عارضِ کشمیر ارم ہے پرتوِ خانۂ نشاط

اس دلکشا بہار میں یاد آئے نہیں تڑپائے نہیں مجھے تڑپائے نہیں

(۴)

ڈلنر کی سیر اور شکارے میں بیٹھ کر

روح و دماغ پر ہے مئے ناب کا اثر

کشمیر زادیاں ہیں کہ پریاں بغیر پَر

جاتی ہے اُن کی سمت کو کھنچتی ہوئی نظر

اس دلکشا بہار میں یاد آئے نہیں تڑپائے نہیں مجھے تڑپائے نہیں

(۵)

بادہ برس رہا ہے فضائے حسین پر

گلزارِ لالہ و چمنِ یاسمین پر
قدرت کا حسن لوٹ ہے قدرت کے سین پر
جنت کو رکھ دیا ہے خدا نے زمین پر
اس دلکشا بہار میں یاد آئے نہیں ترپایئے نہیں مجھے تڑپایئے نہیں

عہدِ غلامی

کیا کہوں کیا مجھے رونے میں مزا آتا ہے ضبطِ گریہ سے جگر منہ کو مرا آتا ہے
کر دیا داغِ غلامی نے مجھے سوختہ دل سروِ آزاد بھی اس باغ کے ہیں پائے گِل
سرزمیں میرے وطن کی ہے غلامستاں آج رختِ آزادی کے چھن جانے سے ہوں عریاں آج

اِس فضا کی ہے ہوا بسکہ قیامت انگیز
ایک پر دُوسرے کا دشنہ و خنجر ہے تیز

صُلح کے بدلے یہ رہتی ہے لڑائی کیسی
ایک ہی باغ کے پھُولوں میں جُدائی کیسی

جس میں بلبل کی زباں نوحۂ ماتم گائے
اُس چمن زار کی گلگشت کا کیا لُطف آئے

وہ جو ہم جنسوں کو آمادۂ پیکار کرے
آہ! وُہ شرم کے پانی میں نہ کیوں ڈُوب مرے

دیکھئے ہوتی ہیں اس خواب کی تعبیریں کیا؟
رنگ لاتی ہیں غلامی کی یہ زنجیریں کیا؟

داستاں عہدِ غلامیؔ کی سناتا ہُوں مَیں
آپ روتا ہُوں زمانے کو رُلاتا ہُوں مَیں

نورجہان

شام نے اوڑھی ردائے تیرگی　　چھا گئی سارے جہاں پر خامشی

بے خودِ کون و مکاں ہے زندگی　　سو گئی ہے فطرتِ انساں بھی

برلبِ راوی کھڑا ہوں میں مگر

اپنی ہستی سے سراسر بے خبر

سن رہا ہوں نغمۂ آبِ رواں　　سازِ قدرت نے ہے باندھا کیا سماں

خوب ہے آوازِ زیر و بم عیاں　　نغمے کا نغمۂ فغاں کی ہے فغاں

دو ضدوں کا ربط یہ آواز ہے

سوز کے پہلو یہ پہلو ساز ہے

کیا کہوں امواج کی بازی گری　　چھوٹی چھوٹی بجلیاں ہیں کھیلتی

مست ہو کر یا شعاعیں چاند کی　　پھر رہی ہیں لڑکھڑاتی جھومتی

منظرِ قدرت سرور انگیز ہے

ذرہ ذرہ یاں شراب آمیز ہے

دُور زیرِ سایۂ بختِ سیاہ　　وہ نظر آتا ہے اِک قصرِ تباہ

گیتی دوں سے سراسر داد خواہ　　کیا یہ ہے نورِ جہاں کی خوابگاہ

آہ! جورِ چرخ و ظلمِ انقلاب

یہ محل ہے قصۂ غم کی کتاب

سبزہ اُگتا ہے یہاں بیگانہ وار　　پھول رنگِ نیستی سے داغدار

مثلِ صرصر آتی ہے بادِ بہار　　گویا یہ گلشن ہے جنگل کا مزار

جا بجا بکھرا خزاں کا رنگ ہے

غنچے کا آئینہ رہنِ زنگ ہے

یہ مکاں خاموشیوں کی کان ہے　　یعنی ہنگاموں کا گورستان ہے

دشت و صحرا کی طرح ویران ہے　　دُور تک سُنسان ہی سنسان ہے

تھم ذرا! بیتابیِ دل تھم ذرا

اِس زمیں پر کرنے دے ماتم ذرا

آہ! وہ نورِ جہاں، جانِ سلیم　　وہ دل و دنیا و ایمانِ سلیم

وہ گلِ خوشرنگِ بُستانِ سلیم　　وہ دلیلِ شوکت و شانِ سلیم

سلطنت بانی اسکی کام تھا

ابنِ اکبر تو برائے نام تھا

شانِ چنگیزی و فرِ قیصری　　شوکتِ دارائی و اسکندری

رُعبِ نعفوری و زورِ سنجری　　تھے یہ سب اُسکی نگاہِ سرسری

پردہ اب کیا ہے؟ فقط اِک مُشتِ خاک

معنوی اقبال کا دامانِ چاک

آج کس خلوت میں ہے مسکن گزیں　　وُہ پری پیکر، نزاکت آفریں

جس طرف کوئی گذرتا بھی نہیں　　جو ہے گردِ دشت و صحرا کی امیں

آہ! یہ اک منظرِ خاموش ہے

نیستی میں زندگی روپوش ہے

شورِ بزم و نغمۂ تقریر کیا!　　آہِ درد و نالۂ شبگیر کیا!

رزمیہ ہنگامۂ شمشیر کیا!　　مسلموں کا نعرۂ تکبیر کیا!

اب نہ ہوگا ان صداؤں کا اثر
وہ حسینہ سو رہی ہے بے خبر

انقلابی ہے اساسِ ہر کمال ہے فراق آمیز بُودِ اتّصال
دہر کی ہر شے کو ہے آخر زوال موت ہے شاہ و گدا سب کا مآل

مرنے والوں کا نشاں تک بھی نہیں
آج اُن کی داستاں تک بھی نہیں

توہینِ رسالت

(غازی علم الدّین علیہ رحمۃ کی حریّت آموز شہادت کی یاد میں)

زندگی مسلم کی کیا ہے؟ اہتمامِ حفظِ دیں دین کیا ہے؟ خاتمِ آفاق کا زیبا نگیں

آفریں

آفریں صد آفریں

جسم ہے خیر الامم لاریب اور اسلام جاں　　قدر کیا تن کی جہاں میں جان اگر تن میں نہیں

آفریں

آفریں صد آفریں

جان ہے غافل! گیا مذہب تو عزت بھی گئی　　مٹ گئی عزت تو ملت بھی ہوئی عزلت گزیں

آفریں

آفریں صد آفریں

یہ حقیقت کر دکھائی تو نے علم الدیںؑ عیاں　　زندگی تیری تھی ناموسِ محمدؐ کی امیں

آفریں

آفریں صد آفریں

کب گوارا تھی تجھے اک لحظہ توہینِ رسولؐ　　برق تھی شاتم کے حق میں تیری آہِ آتشین

آفریں

آفریں صد آفریں

تھامنے سے تھم نہ سکتا تھا ترا سیلابِ عشق　　تھی تری ہر موجِ خوں اک موجِ دریائے یقیں

آفریں

آفریں صد آفریں

تیری حریت نے توڑیں راجپالی نخوتیں　　پائے حق پر سرنگوں رہتی ہے بطل کی جبیں

آفریں

آفریں صد آفریں

پیکرت را گرچہ در ظاہر بہ دار آویختند　　در حقیقت تیری روحِ پاک ہے طوبےٰ نشیں

آفریں

آفریں صد آفریں

شہ رگِ تو قطرۂ خونِ شہادت را کہ ریخت　　وہ ہوا شانِ کریمی سے گلِ خلدِ بریں

آفریں

آفریں صد آفریں

نقشِ ایمانی کو ہے سیلِ حوادث سیلِ عیش　　یاں خطِ جامِ مئے گلرنگ ہے از رنگِ جبیں

آفریں

آفریں صد آفریں

تیرے اندازِ شہادت نے یہ ثابت کر دیا　　عشق والے مر تو جاتے ہیں فنا ہوتے نہیں

آفریں

آفریں صد آفریں

ذرہ ذرہ تیری تربت کا چراغِ طور ہے　　مشرقستانِ مہ و خورشید ہے یہ سرزمیں

آفریں

آفریں صد آفریں

سطوتِ اسلام کب ہے دبنے والی کفر سے　　خود ہے جب صابرؔ مشیت حافظِ ناموسِ دیں

آفریں

آفریں صد آفریں

فنا

بحرِ عالم میں تلاطم زا ہیں امواجِ فنا
جملہ موجودات ہے محصورِ افواجِ فنا

ہیں فرازِ چرخ پر جو انجم و شمس و قمر
رہتے ہیں گردش میں پیہم ایک ہی ہنجار پر

چرخِ دوں اک تفرقہ پرداز جو مشہور ہے
اس کی ہستی بھی حجابِ مرگ میں مستور ہے

کھِل کھلاتے ہیں چمن میں غنچے اپنے وقت پر
ہر گُلِ تر شاخ پر ہوتا ہے دو دن جلوہ گر

دیکھ کر یہ منظرِ رنگیں، فضائے دلکشا
بُلبُلِ نغمہ سرا بھی ہوتی ہے نغمہ سرا

چہچہاتی پھرتی ہے یوں بوستاں میں ہر طرف
ناوکِ غم کی نہ ہوگی وہ کبھی گویا ہدف

خرمنِ ہستی پہ اُس کے ناگہاں گرتی ہے برق
دم کے دم میں بحرِ ناکامی میں کر دیتی ہے غرق

خندۂ گُل، نالۂ بُلبل کا کیا انجام ہے
گلشنِ ہستی میں ہر شے کا فنا انجام ہے

ہر شجر کے بیج کو کرتے ہیں مستور زمیں
یعنی مستوری ہے ہر جلوے کا گامِ اوّلیں

اُس کے دل میں بھی فروزاں ہے شرارِ زندگی
خود نمائی کا تقاضا ہے بہارِ زندگی

آہ! زیرِ خاک بھی مردہ نہیں سوزِ نہاں
اس کشاکش میں بھی افسردہ نہیں سوزِ نہاں

خود نما ہو کر رہا وہ خاکِ نم آمیز سے
بن گیا آخر شجر اک دن نسیمِ تیز سے

خامشی میں ہے نہاں شورِ نوازِ حیات
یعنی بربادی میں ہیں مستور اسرارِ حیات

کچھ دنوں میں نکلیں شاخیں، پتیاں پیدا ہوئیں
ہو گئی لبریز پھر پھولوں سے گلشن کی زمیں

ہو گیا برباد وہ آخر خزاں کے دور سے
کون بچ سکتا ہے عالم میں فنا کے جور سے

اتصالِ آفاق کے اک دن جُدا ہونے کو ہیں
لہلہاتے بوستاں آخر فنا ہونے کو ہیں

نخچیر صیّاد

ایک تصویر کو دیکھکر

(تصویر کا منظر یہ ہے کہ ایک حسین دوشیزہ جوشِ محبت سے مجبور ہو کر تپتے ہوئے ریگستان
کو چیرتی ہوئی اپنے محبوب کی طرف جا رہی ہے)

آہا اے دوشیزہ اے نو وارِدِ اقلیمِ غم — ہے دلِ نازک ترا گرمِ فغاں مثلِ سپند
یہ شبابِ حُسن آگیں یہ جوانی کی بہار — اس نزاکت پر تجھے کیوں عشق آیا ہے پسند
کیوں قدم رکھا ہے تُو نے اِس رہِ دُشوار میں — عشق کی وادی ہے سنگِ میل سے نابہرہ مند
کیوں رچی جاتی ہے اس تپتے ہوئے صحرا میں تُو — جس کے ذرّہ ذرّہ میں ہیں شعلہائے گرم بند

تو کہ ہے اک وادیٔ ایمن کی شمعِ نور پاش
کائناتِ عشق ہے تیری ضیا سے ارجمند

کیوں ہوئی رہنِ جنوں محمل نشینی چھوڑ کر
درحقیقت حُسن سے ہے عشق کی فطرت بلند

عشق کے میدان میں ہے شہسوارِ حُسن لنگ
قعرِ غم میں پا بگل ناز و نزاکت کا سمند

کون خوش قسمت ہے وہ دیوانۂ صحرا نشیں
کھینچ لائی تجھ کو جس کے جذبِ الفت کی کمند

کیا قیامت خیز ہے یہ دلدہی و دلبری
عشق کی بداختری پر حُسن بھی ہے دردمند

کیا نہ تھیں معلوم تجھ کو عشق کی مجبوریاں
الحذر! اس مائدے میں ہے سراسر زہر قند

حُسن کو اک نُور کی دُنیا تصوّر کیجئے
عشق ہے اُس کی فضا میں آفتابِ سربلند

"نازنیں را عشق در زیدن نہ زیبد جانِ من
شیر مردانِ بلاکش پادریں غوغا نہند"

اسلام

آ بتاؤں تجھکو اے مسلم، کہ ہے اسلام کیا؟ — اپنے اندر کیفیت رکھتا ہے تیرا جام کیا؟
تو سمجھ سکتا ہے کیا؟ اسرارِ دینِ مصطفےٰؐ — صید کر سکتا ہے اس آہو کو تیرا دام کیا؟
جوششِ سیلاب کے آگے ہے کیا بودِ حباب — عشق کے میداں میں ہے عقلِ سُست انجام کیا؟
جسم ہے خیر الامم لاریبؐ اور اسلام جان — جان اگر تن میں نہیں تن کا بہاں میں کام کیا؟

جان بے غافل گیا مذہب تو ملت بھی گئی
دامنِ ملت اگر چھوٹا تو عزت بھی گئی

پروانہ و شمع

شمع پر مرتا ہے جان و دل سے یہ پروانہ کیوں
یہ طوافِ آتشِ سوزاں کا ہے دیوانہ کیوں؟

آگ کے شعلوں میں کیا مخفی ہے عمرِ جاوداں
جانتا ہے موت کو بازیچۂ طفلانہ کیوں؟

آتشیں رخسار میں شائد ہیں انوارِ قدیم
ہے یہ وجدِ مرتعش یہ لغزشِ مستانہ کیوں!

یہ شرار آباد خاکستر بنا دے گا اسے
کودتا ہے پستیِ گلخن میں بے باکانہ کیوں؟

اس نے اس بستان کو دریائے رواں سمجھا ہے یہ
نیستی کو زندگیِ جاوداں سمجھا ہے یہ

شمع خود غرقابِ دردِ دل کسی کے غم میں ہے
سیلِ اشکِ خوں اس کے دیدۂ پُرنم میں ہے

وہ لئے بیٹھی ہے دل میں خارِ الفت کی خلش
مُستعر طوفانِ آتش اُس کی موجِ دم میں ہے

سوزِ پنہاں کی تپش سے وہ پگھلتی ہی بدلم
صُورتِ برقِ طپاں بے تابیِ پیہم میں ہے

وہ زباندار ی پہ بھی مجبور رسمِ ضبط ہے
بے زبانی سے یہ ظاہر ہے کہ وہ ماتم میں ہے

ڈھونڈتی ہے جلوۂ پوشیدہ ہر محفل میں وہ
جلتی رہتی ہے ملالِ سعیِ بے حاصل میں وہ

حیاتِ جاوید

آہ! تو کب تک اٹھائے گا قفس کی سختیاں
قوتِ پرواز پیدا کر بجائے ضعفِ جاں

تو ہُما ہے اڑ کے طوبےٰ پر بنا لے آشیاں

مور کی صورت نہ چھُپ کر بیٹھ سترِ خاک میں

مثلِ موسےٰ عشق کو منتِ کشِ احساں نہ کر

طور پر نظارگیِ حُسن کے ساماں نہ کر

بھیک لینے کے لئے خودداریاں ویراں نہ کر

خود بخود جلوے اُترتے ہیں نگاہِ پاک میں

تو ہمیشہ کھینچ جان و دل سے نازِ آرزو

اپنی رگ رگ کو بنا لے تارِ ساز آرزو

ہر نفس تیرا ہے نغمہ نواز آرزو

عشق کی بجلی چھپا لے خرمنِ ادراک میں

طائرِ نادان! ترکِ ہستیِ غمگین کر
اپنے بال و پر میں پیدا ہمتِ شاہین کر
اُڑ اور اُڑ کر اکتسابِ خوشۂ پروین کر
کیا تلاشِ رزق کرنا تودۂ خاشاک میں

تجھ کو جینا ہے تو جی مانندِ برقِ گرم بس
تا کہ آتش سے رہے معمور تیرا ہر نفس
اس گلستاں میں نہ رہنا سیکھ ہم آہنگِ خس
زود سوزی ہے اجل کے شعلۂ بیباک میں

صُبح کا ستارہ

چھپا گردِ سحر میں قافلہ ماہِ درخشاں کا
ستارہ صبح کا روکش بنا خورشید خنداں کا

بصد انداز تھی لیلائے شب محوِ خود آرائی
کیا رنگ اُس نے پھیکا اسکے گیسوئے پریشاں کا

اٹھایا خوابِ غفلت سے ملیونِ نعت پیرا کو
نسیمِ صبح بن کر کھٹکھٹایا در گلستاں کا

ادھر بلبل پہ پھونکا اس نے افسونِ نوا ریزی
نیا دامن ادھر پرزے کیا گلہائے خنداں کا

سنایا مژدۂ رحمت جبیں سایانِ کعبہ کو
بڑھایا دل چمک کر زاہدانِ سبحہ گرداں کا

جگایا دیر میں ہندو کو راہب کو کلیسا میں
سبق سب کو پڑھایا نورِ کردِ پاک یزداں کا

یہ فوتیٔ غنچہ ہائے بستہ لب پر کر دیا جاری
تمہیں لازم ہے کرنا آشکارا رازِ پنہاں کا

رہینِ خوابِ شب تھا تھک کے دن بھر کی مصیبت سے
چمک کر جھونپڑی میں دل کیا بیزار دہقاں کا

کرے تا کارداں کی رہبری مشعل بکف ہو کر
بنایا غیرتِ خورشید ہر ذرہ بیاباں کا

طلوعِ صبح گویا آمدِ فصلِ بہاری ہے
ترانہ کیا ہی لطف انگیز ہے مرغِ خوش الحاں کا

نمودِ او مداواست دردِ غمِ شب ہائے ہجراں را
ز قلبِ بیقراراں بُرد بیروں دردِ پنہاں را

پھول

اے پھول! غم سے سینہ ترا داغ داغ ہے
گلخن سے بڑھ کے تیرے لئے صحنِ باغ ہے

کانٹوں کے دامِ سخت میں الجھا ہوا ہے تُو
تُو ہے کہ بادِ تند کی زد میں چراغ ہے

بے چاک چاک تیرا گریبانِ زندگی لبریز خونِ یاس سے دل کا ایاغ ہے

کیا تجھکو حالِ زار پہ شرمندگی نہیں

ذلت کی زندگی تو کوئی زندگی نہیں

اے کاش! تجھ میں جوہرِ فکرِ مآل ہو ایسی ہی زندگی کا تجھے بھی خیال ہو

دل کو اگر کرے تو محبت میں خون خون جامِ جہاں نما ترا جامِ سفال ہو

عقلِ زبوں کو شیوہ دیوانگی سکھا حاصل تجھے فراق کے بدلے وصال ہو

پڑ جائے خارزار میں جینے کی خو تجھے

گلزارِ زندگی میں ملے آبرو تجھے

مدینہ منوّرہ

عطر بیز و مشک ساماں ہے مدینے کی ہوا
روح پرور راحتِ جاں ہے مدینے کی ہوا

ناز سے چلتی ہے اس گلزار میں بادِ شمال
نکہت افشاں ہر گلِ رنگیں ہے نافے کی مثال

ذرہ ذرہ اس زمیں کا مہرِ عالمتاب ہے
بے تکلف ارضِ بطحا رخ کی ہمتاب ہے

کوہ و صحرا ہیں یہاں کے گلشنِ جنت بدوش
اور مئے توحید سے اس خم میں پیہم گرم جوش

پُر ضیا ہے ضَو فشاں ہے اور سراپا نُور ہے
گویا اس وادی کا ہر ذرہ چراغِ طور ہے

ہے ارم بھی گلستاں بھی دشت بھی بن بھی یہی
امتِ محبوبِ ایزد کا ہے مسکن بھی یہی

ملتِ اسلام کا پہلے ہوا اس جا ورود
بعد ہجرت کی رسولِ حق نے اس میں ماند بود

خیمہ زن اس جا ہوئے ہیں قافلے اسلام کے جان و دل سے جو تصدق تھے خدا کے نام کے

مدفنِ محبوبِ حق یہ سرزمینِ پاک ہے

یعنی خوابیدہ یہاں شاہنشہِ لولاک ہے

فسونِ حُسن

اے فسونِ حُسن اول تجھ سے تمنا خیز ہے تیری اک چشمک سمندِ عشق کو مہمیز ہے

سیلِ طوفانی ہے تو دریائے فانی کے لئے اک بلائے ناگہانی ہے جوانی کے لئے

تجھ سے ہے گہوارۂ سحر و فسونِ عہدِ شباب ہے ترے فتراک میں صیدِ زبوں عہدِ شباب

جو ترا مفتوں ہوا سر در گریباں کر دیا تو نے وہ آئینہ دکھلایا کہ حیراں کر دیا

ہے تری رنگیں نوائی سوز و سازِ زندگی　　یعنی وابستہ ہے تیرے دم سے رازِ زندگی

ہاں ہمرے دل کی فضائے تیرہ میں ہو آشکار　　اپنے جلوے سے سیہ خانے کو کر تنویرِ بار

راز کچھ مستور ہیں زیرِ نقابِ آگہی　　کردے بے پردہ انہیں اے آفتابِ آگہی

قمریِ شیریں گلو کے نغمۂ "کوکو" میں تو
جنبشِ مستانۂ سروِ کنارِ جو میں تو

پیغامِ سروش

رات میں کیفِ خودی میں سرخوش و مدہوش تھا
دل مرے پہلو میں یکسر ساکت و خاموش تھا

کاروانِ ماہ و انجم بے جرس تھا گرم رو
آسماں پر اک ہجوم بے خروش و جوش تھا
وقت کی تاثیر کچھ ایسی سکوت آموز تھی
آشیاں میں طائرِ ہنگامہ زا خاموش تھا
دید کے قابل تھیں غنچے کی سکوں پیرائیاں
خامشی ہی خامشی میں استراحت کوش تھا
ذرہ ذرہ تھا جہاں کا آشنائے بے خودی
جو کوئی بیدار تھا محوِ خیالِ دوش تھا
تا سحر سحرِ طلسمِ شب رہا مُہرِ وہاں
کان میں اک غیب سے آواز آئی ناگہاں

اے کہ تُو اِس عالمِ فانی میں محوِ خواب ہے
ساز تیری زندگی کا تشنۂ مضراب ہے
ہو چکی ہے رخصت آفاق سے لیلائے شب
یعنی آمد آمدِ خورشیدِ عالمتاب ہے
ہر کوئی ہے گوش بر آوازِ ناقوس و اذاں
آہ! کس غفلت میں تُو مستِ شرابِ خواب ہے
عرصۂ عالم میں ہے ہنگامۂ حاضر بپا
سینۂ سوزاں میں ہر قلبِ حزیں بیتاب ہے
دیکھ! ابرِ یاس ہے چھایا ہُوا آفاق پر
خفتگی سے تیری ہر اک صورتِ سیماب ہے

آہ! کز فریادِ خاطر ہائے حسرت اِنتُما
در بسیطِ دھر شد ہنگامۂ محشر بپا

تیری بے ہوشی کے باعث کعبہ بُت خانہ بنا
نغمۂ توحید و تثنیت کا افسانہ بنا

حالِ عرفاں جو ہے وہ تدریسِ غم ہے آج
محوِ شغلِ کافری عالم میں فرزانہ بنا

ساقیِ الحاد کی صہبائے تند و تیز سے
ایسی مدہوشی ہوئی ہشیار مستانہ بنا

رُوئے گیتی کفر کی بارش سے نم آلود ہے
شورِ لغموشِ خواب پاکے حق میں افسانہ بنا

مسلم خوابیدہ! اُف تیری پریشاں خوابیاں
گیسوئے توحید پھر منت کشِ شانہ بنا

بے خبر کیوں! خانۂ تاریک میں مہماں ہُوا
آپ ہی اپنے لئے غارت گرِ ایماں ہُوا

تُو مُسلماں ہی نہیں اے مسلمِ راحت گزیں
پاسِ احکامِ پیمبرؐ کا ذرا تجھ کو نہیں

تیرے دل سے عشقِ یثرب کی تمنا مٹ گئی
تیری خاتم ہو گئی بیگانۂ نقشِ نگیں

ہو کے مسلم اس قدر دلدادۂ کذب و ریا
ترے حق میں ہیں ترے اعمال لعنت آفریں

تُو نے دکھلادی ہے بس افسردگی کی انتہا
کیا ہوا وہ سوز جو تھا خانۂ دل میں مکیں
برقِ خرمن گرمیاں جس کی تپش سے باطل کیلئے
آج کس پابندیوں میں ہے وہ آہِ آتشیں
اے کہ خود شیرازۂ ملت پریشاں مے کنی
سنگِ بنیادِ حرم را صرف اوثاں مے کنی
تیرے آبا حافظِ ناموسِ ختم المرسلیںؐ
اور تو سمجھا ہے بُتخانے کو فردوسِ بریں
وہ بھی تھا اِک دن کہ تھا تو ناصیہ سائے حرم
آج اُن سجدوں سے ہے نا آشنا تیری جبیں

ہو سکا تجھ سے نہ پیغامِ خدا کا احترام
دستِ حسرت مل رہے ہیں تجھ پہ جبریلِ امیں
شعلۂ خس کی طرح آتا ہے تیرے دم میں جوش
جس بلندی سے اُٹھتا ہے پھر بیٹھ جاتا ہے وہیں
کب بھلا تو بارگاہِ حق میں ہو گا بامُراد
جب کہ تیرا قلب مرتا مر رہے محرومِ یقیں
دامِ کفر و شرک سے اے خوشنوا آزاد ہو
لالہ زارِ گلشنِ توحید میں آباد ہو
مسلمِ افسردہ تیرا جوشِ ایماں کیا ہوا
سومناتِ شرک پر تیرے وہ طوفاں کیا ہوا

خرمنِ باطل پہ وُہ شعلہ فشانی کیا ہُوئی ؟

اُلفتِ احمدؐ کا وُہ شوقِ فراواں کیا ہُوا ؟

ہے کہاں وُہ زورِ عالمگیرؒ اور محمودؒ کا ؟

جادۂ توحید پر وہ صدقِ سلمانؓ کیا ہُوا ؟

آج ہے رونق دہِ کاشانۂ الحاد و کفر

دینِ حق کا شعلۂ شمعِ شبستاں کیا ہُوا ؟

کیا غلامی اقتضائے شیوۂ توحید ہے ؟

وہ جہانبانی کا جذبہ اے مسلمانؔ کیا ہُوا ؟

راہِ حق میں کیا ہُوا خنجر بکف ہونا ترا ؟

لشکرِ اسلام میں وُہ زیبِ صف ہونا ترا ؟

کہہ سکیں کیونکر تجھے اب اُمّتِ خیرالانام
تُو نے غارت کر دیا اسلام کا ناموس و نام
دیر پئے توحید ہیں آفاق میں باطل پرست
اور تُو ہے بزم مے میں بادۂ گلگوں بجام
جذبۂ انساں پرستی اس میں کیا ضم نہیں ؟
کر رہا ہے اپنے ہم جنسوں کو جُھک جُھک کر سلام
تیری ہستی سر کے بل قعرِ غلامی میں گری
جب گئی قبضے سے تیرے ننگِ ایماں کی زمام
ملّتِ بیضا کی رہ میں زیرِ خنجر رکھ گلا
کیا نہیں ہے یاد تجھکو وہ محمدؐ کا پیام؟

اِک نئی گرمی نہاں تھی تیری ہر اک بات میں
جا چھپیں وُہ سوزشیں کِس پردۂ ظلمات میں

پھر دلِ سوزاں میں پیدا جذبۂ توحید کر
پھر نئے انداز سے اسلام کی تمہید کر

پھر جہاں میں غزنوی سی ترکتازی کر عیاں
رونما ہو پھر برنگِ مادِ نو اور عید کر

رزمگاہِ کفر میں پھر برسرِ پیکار ہو
دل میں تازہ پھر پُرانی فتح کی امید کر

بُت شکن آفاق میں پھر مثلِ عالمگیرؒ ہو
اپنے ہر ذرّے کو پھر سے رو کشِ خورشید کر

ہاں! اُسی اخلاص سے ہو پھر جبیں سائے حرم
پھر دلِ غمگیں میں پیدا اشتیاقِ دید کر
تجھ سے ظاہر ملّتِ بیضا کا پھر اجلال ہو
ضَوفشاں عالم میں مثلِ نیّرِ اقبال ہو

بچّہ اور چاند

یہ تجسّس ہے تجھے طفلکِ ناداں کیسا — فرطِ حیرت سے ہے تو آئینہ ساماں کیسا
میرے آغوش میں بیٹھے تو تڑپتا کیوں ہے — ہر گھڑی جانبِ مہتاب جھپٹتا کیوں ہے
کیا تمنّا ہے تجھے ضَو سے ہم آغوشی کی — کیا تمنا ہے مۓ حُسن سے مدہوشی کی

مدتوں چاند کا جلوہ ہے تجھے مدِ نظر
یہ کسی دیکھے ہُوئے حُسن کی ہے یاد مگر

چاند کیا ہے؟ عدمی کرنوں کی جمعیت ہے
تُو مگر پرتوِ انوارِ ربوبیت ہے

چاند کے نُور سے ہے نُور ترا بالاتر
وہ کبھی بیش، کبھی کم، یہ وہی سر تا سر

جلوۂ عریاں ہے وہ جلوۂ پوشیدہ ہے تُو
پرتوِ دیدہ ہے وہ پرتوِ نادیدہ ہے تُو

اُس کو قدرت نے دیا حسن دکھانے کیلئے
اور تجھے پردۂ ہستی میں چھپانے کیلئے

سیلِ خورشید کا اک قطرۂ ناچیز ہے چاند
حُسنِ ادراک سے تیرے کئی خورشید ہیں ماند

منبعِ نُورِ تمامی میں سے کچھ نور ہے تُو
شعلۂ آتشِ ایمن مشرطِ طور ہے تُو

مولٰنا ابوالکلام آزاد کے نام

(علامہ اقبال کے اشعار پر تضمین)

وطن پرستی میں کیوں تُو نے زندگی کھوئی
بِلا بھی ہے تری مِلّت کو فائدہ کوئی
جو کچھ ملے نہیں کس کام کی ہے دلجوئی
"حدیثِ عشق بہ اہلِ ہوس چہ مے گوئی
بہ چشمِ مردمکش سرمۂ سلیمانی"
عدوئے مِلّتِ دیں ہے مہاتما کا وجود

ہے تنگ اُس کی سیاست برنگِ چشمِ حسود
وہ چاہتا ہے حرم میں وہی بتوں کی نمود
زمانہ باز برافروخت آتشِ نمرود
کہ آشکار شود جوہرِ مسلمانی

تری زباں میں ہے ساقی فسونِ پیرا
حریمِ حق میں صنم زادِ کانگرس سے آ
بجائے ہند سنا ہم کو قصۂ بطحا
"خبر رسید سلیمی بدہ حجازی را
شرارِ شوق فتاں در ضمیرِ تورانی"

بادہ نوشی

(عمر خیام کی ایک رُباعی کے تاثّرات)

(۱)

بہ حقیقت صورتِ خورشیدِ تاباں ہے عیاں — بادۂ گلگوں ہے سرچشمہ نشاط و عیش کا
غم کہ دشمن آدمی کی جان کا ہے بے گماں — مے سے پُر تاثیر تر اس کا نہیں کوئی دوا

(۲)

شغلِ نوشانوش سے بڑھتی ہے شانِ زندگی — جرعۂ صہبا ہے یعنی خاتمِ دل کا نگیں
روح افزائی نہ ہو جس بادۂ سرجوش کی — ہے خطا مینا نشاطِ ہر رگِ جانِ حزیں

(۳)

ہوتی ہے تنشیطِ مے سرمایۂ لطفِ حیات　　جب عطا ہو جام دستِ ساقیِ گلفام سے
التفاتِ حُسنِ ساقی ہو تو دیتی ہے نجات　　گردشِ ساغر یقیناً گردشِ ایام سے

(۴)

کیوں نہ تاثیرِ شرابِ ناب ہو جائے دوچند　　جام بر کف جب کسی کا ساعدِ پُر نور ہو
کون ہو سکتا ہے صابرؔ اُس سے بڑھکر ارجمند　　جس کی بزمِ مے کی زینت کوئی رشکِ حُور ہو

لالۂ صحرا

لالۂ صحرا ہوں میں خونِ دلِ ویرانہ ہوں　　شمعِ آرائش فزائے محفلِ ویرانہ ہوں

دشت زاروں میں بیابانوں میں ہے مسکن مرا
میں گلِ یکتا ہوں لامحدود ہے گلشن مرا

میں ہوں آزادِ عذابِ صرصر و لطفِ بہار
بازیِ طفلانہ ہیں میرے لئے لیل و نہار

ریت کے بادل مجھے رکھتے ہیں شاداب حیات
ہے سرابستاں بھی گویا چشمۂ آبِ حیات

خیمۂ عشرت مرا استادہ ویرانے میں ہے
دخترِ رز جلوہ پیرا میرے پیمانے میں ہے

گردشِ ایام سے نا آشنا رہتا ہوں میں
حلقہ ہائے گردباداں سے رہا رہتا ہوں میں

میری شادابی نہیں منت پذیرِ باغباں
پنجۂ گلچیں سے رہتا ہوں ہمیشہ بے نیاں

اس مسرت میں بھی رہتا ہے مگر سودا مجھے
سرو کی مانند آزادی نے ہے جکڑا مجھے

وحشت و آشفتگی رہتی ہے مجھ سے آشکار
دیدگانِ گریہ ساماں ہیں مرے خونبا بہ بار

پیرہن خوں گشتہ ہے دامن مرا صد چاک ہے
یہ دلِ سوزاں نہیں ہے شعلۂ بیباک ہے

عین راحت میں بھی مل سکتا نہیں لطفِ حیات ۔۔۔ ناوکِ غم کا ہدف رہتے ہیں میرے حسیات

اپنے ہم جنسوں کی فرقت میں لہو روتا ہوں میں

صحنِ گلشن کے لئے آتش بجاں ہوتا ہوں میں

مطربہ

(۱)

وہ مہرِ عالمتاب چھپا

لو شام نے خیمہ تان دیا

اور ذرہ ذرہ عالم کا

ظلمت کی اوڑھ رہا ہے ردا
خاموشی کا ہے رنگ جما
ہر جانب ہے اک سنّاٹا
خوابیدہ ہے فطرت اِس کو ٹھوکر سے لے کی جگائے جا
اے مطربہ! ساز بجائے جا

(۲)

کلیاں ہیں سراسر نُور افشاں
نرگس مست ہے اور حیراں
ہر گُل شاداب ہے اور خنداں
اور وجد میں ہے ہر سرو رواں

گلزار ہے جنّت در داماں
ہر گوشۂ باغ بہارستاں
قدرت کی بہاروں میں تُو بھی، نغمے کی بہار دکھائے جا
اے مطربہ! ساز بجائے جا

(۳)

کیا پھُول سی رنگیں صُورت ہے
پُوجا کے لائق مُورت ہے
لیکن تجھ کو کیا وحشت ہے
کیوں سحر طرازی کی لت ہے
کیوں ہوش و خرد سی نفرت ہے

مدہوشی میں کیا لذت ہے

مستانہ گری میں رمز ہے جو ہم کو بھی کچھ سمجھائے جا

اے مطربہ! ساز بجائے جا

(۴)

ترے ساز میں ہیں کیا کیا نغمے

سرتاسر سوز فزا نغمے

پُر شور تلاطم زا نغمے

آفت ہیں ہوشربا نغمے

دلکش نیرنگ نما نغمے

کرتے ہیں حشر بپا نغمے

دریائے الست کی طغیانی میں، رُوح کو خُوب بہائے جا
اے مطربہ! ساز بجائے جا

(۵)

اب ہم کو سُنا دلچسپ نوا
ہاں! چھیڑ کوئی نغمہ ایسا
جو سوز و اثر میں ہو ڈُوبا
جو بجلیوں کا ہو گہوارا
تن من میں دے اک آگ لگا
ہستی کا دے سب ساز جلا
جو آگ نوا میں مضمر ہے بھڑکائے جا بھڑکائے جا

اے مطربہ! ساز بجائے جا

(۶)

ہے چشم قیامت ساز تری
ہے کاکل سحر نواز تری
جادو ہے نگاہِ ناز تری
نیرنگ نوائے راز تری
پُرافسوں ہے آواز تری
لے تیری اے غماز! تری
اس آتشیں لے میں گائے جا، تڑپائے جا تڑپائے جا
اے مطربہ! ساز بجائے جا

مُسلم سے خطاب

چمک اے مسلمِ حق آشنا! برقِ طیاں ہو کر
جلا دے خرمنِ الحاد کو شعلہ فشاں ہو کر

مٹا دے کفر کی ہستی کو تیغِ تو نچکاں ہو کر
نہ مُرعوبِ دیر سے ڈر تو حرم کا پاسباں ہو کر

صنم خانوں میں پیدا کر حرارت سوزِ ایماں کی
عیاں ناقوس کی لے سے ہو گلبانگِ اذاں ہو کر

نہیں ہے ہمت و سطوت تری سنت کشِ خنجر
اُتر جا سینۂ کفار میں تیغِ رواں ہو کر

صنم کدہ تری تعروں کی گرمی سے پگھل جائیں
فروزاں ہو رواقِ دیر میں سوزِ نہاں ہو کر

دکھا کر جذبۂ توحید سینوں میں بنا مسکن
دلِ اصنام میں چھُپ جا حرم کی داستاں ہو کر

کہاں کفار کی طاقت جو تیرے روبرو آئیں
مقابل کیا سلیماں کے ہوں مورِ ناتواں ہو کر

مکرر آزمائش کو خطا کہتے ہیں دانشور　　نہ کر پھر تجربہ نامہرباں پر مہرباں ہو کر

نمے دانی کہ سلطانِ عرب را از غلامانی
کہ ہر ملحد ز فیضش مے شود محو خدادانی

موج و حباب

کل ایک موج تڑپتی تھی اور کہتی تھی　　محیطِ بحر میں مجھ کو کہیں سکوں نہ ملا

ہوائے تیز بھنور اور وسعتِ بیحد　　مقابلے میں مجھے کوئی بھی نہ بول نہ ملا

افق کی سمت کو مانندِ برق دوڑا کی　　مگر نشانِ رہِ چرخِ نیلگوں نہ ملا

کرن کے گھوڑے نے پہنچایا اوج پر مجھکو　　وہاں بھی اپنے مقدر کا کچھ سکوں نہ ملا

ہمیشہ پھرتی رہی جستجوئے منزل میں
ملا جنوں ہی جنوں حاصلِ جنوں نہ ملا

اٹھاؤں گی یہ غمِ زحمتِ سفر کب تک
رہے گی منزلِ مقصود دور تر کب تک

جواب پاس ہی تھا اُس نے یہ جواب دیا
قرار اُسی کو یہاں ہے جسے قرار نہیں

جہان بھر میں بھلا کوئی ایسی چیز بھی ہے
جو شاہراہِ طلب میں بروئے کار نہیں

زمین، چاند، ستارے، شجر، حجر، انساں
ہے کون جو سوئے منزل سفر شعار نہیں

بغیر غم کے خوشی کی بساط ہی کیا ہے
خزاں نہ آئے تو کچھ وقعتِ بہار نہیں

مری فراخ تو سمندر میں رہ نگوں ساغر
ضروریاتِ بقا میں ہوس شمار نہیں

اگر ہے خواہشِ منزل تو ترکِ منزل کر
قویٰ عقل میں دیوانگی کو شامل کر

فروتنی

دخترِ رز بے پردگی سے ہوگئی ناموس سوز
زینت افزائے بہاراں تھی حریمِ تاک میں
غنچگی کا جام تھا لبریز نورِ زندگی
موت ہنستی ہے گلوں کے دامنِ صد چاک میں
کشت بنتے ہی ہوا ان پر بلاؤں کا نزول
ظلم سے محفوظ تھے دانے حجابِ خاک میں
نارسائی پر بھی ہے ذرّے کو شوقِ آفتاب

عشق آسکتا نہیں ہے پنجۂ ادراک میں

توڑلینا شاخ سے گل کا نہیں آئینِ عشق

محض نظارہ ہی ہوتا ہے نگاہِ پاک میں

انحطاطِ درد سے بڑھکر نہیں کوئی عروج

زندگی بیدار ہوتی ہے دلِ غمناک میں

ہستیٔ معصوم کو ہرگز نہ کر نذرِ ہوس

ایک دم کی زندگی ہے شعلۂ بیباک میں

رفعتِ پرواز نے غنچا کو غنچا کردیا

مور کی صورت بنالے آشیانہ خاک میں

حورِ گلستاں

(۱)

مشرق سے دھیمی دھیمی اک روشنی سی اٹھی
کرنوں کے پیرہن میں یا اک پری سی اٹھی
یا عکس آئینے کا
پانی میں جھلملایا
یا اک دیا سحر کا
بجھ بجھ کے ٹمٹمایا

یا برق کی شعاعیں ہیں بادلوں میں رقصاں
دریائے نیل میں یا موجیں ہیں حشر ساماں

(۲)

بکھرے ہیں یا کسی کے ہلکے سنہری کاکُل
تاروں کے آنسوؤں کے یا رو رہی ہے بلبل

ہاں! آفتاب ہے یہ
ضو انتساب ہے یہ
پُرالتہاب ہے یہ
آفاق تاب ہے یہ

لو اب نکل چکا ہے دونوں جہاں ہیں روشن

کتنا فروغ زا ہے کون و مکاں ہیں روشن

(۳)

کیا نور ہلکا ہلکا گلشن پر پڑ رہا ہے

غنچوں نے ساغرِ جم ہاتھوں میں لے لیا ہے

چشمے کا صاف پانی

کرتا ہے دلستانی

ہر سروِ بوستانی

ہے مستِ جاودانی

بلبل وہ نغمہ پیرا گلزار کی پری ہے

پھولوں پہ مست ہو کر کچھ گیت گا رہی ہے

(۴)

اس وقتِ دلکشا میں وُہ شوخ حور آئی
سرتا بپا نمود وُہ شمعِ طور آئی
مالن وُہ پیاری پیاری
عشّاق کی شکاری
پھرتی ہے کیاری کیاری
کرتی ہے آبیاری
مخمورِ حُسن ہو کر کیا ڈگمگا رہی ہے
حُسنِ ازل کا پرتو گویا اٹھا رہی ہے

(۵)

رنگِ شباب میں وُہ گلدستہ ہے خوشی کا
بے رنگ پیرہن میں منظر ہے سادگی کا
رنگیں عذار ہے وُہ
ناہید کار ہے وُہ
الفت شعار ہے وُہ
اک نوبہار ہے وُہ
لب پر ہے مسکراہٹ کیا گُل کتر رہی ہے
سرگرمِ رقص ہو کر برباد کر رہی ہے

(۶)

زلفوں کا عکس دیکھا سہمی وُہ شوخ ساحر

گھبرا کے بول اٹھی پانی میں سانپ کیونکر!

بھولی سی دلربا ہے

دوشیزہ مہ لقا ہے

کمسن ہے فتنہ زا ہے

نازک ہے خوش ادا ہے

پھولوں کو سونگھتی ہے اور مُنہ بنا رہی ہے

کلیوں کو دیکھتی ہے آنکھیں دکھا رہی ہے

(۷)

چادر اتار پھینکی! بے باک اس قدر ہے

پھر اوڑھ لی اُٹھا کر چالاک اس قدر ہے

زلفِ دوتا تو دیکھو

نور و صفا تو دیکھو

ناز و ادا تو دیکھو

جور و جفا تو دیکھو

سُن کر نوائے قمری، کیسے ٹھہر گئی ہے

اور "نعرہ ہائے کوکو" خود بھی لگا رہی ہے

(۸)

کاریز کے کنارے بیٹھی ہے کیا دوزانو

گالوں پہ کس ادا سے لہرا رہے ہیں گیسو

وہ مستِ حُسن کیا ہے

اک طُور کا دیا ہے

کیا سر جُھکا ہُوا ہے

کچھ یاد آگیا ہے

بولی "یہ لوگ اور میں! کس درجہ بے حیا ہُوں!

غیروں کے سامنے ہوں نامحرم آشنا ہُوں"

(۹)

ہاتھوں سے تھامے آنچل کس ناز سے اُٹھی ہے

گرم خرام ہو کر کُٹیا کو جا رہی ہے

کس شرم کس حیا سے

کس ناز کس ادا سے

کس جور کس جفا سے
کس طرز حشر زا سے
پھولوں سے پُر بنے اُن گلزار سے نکل کر
وہ حُور گلستاں کی وہ شوخ نور پیکر
گرم خرام ہو کر
کٹیا کو جا رہی ہے

نوائے غم

ہمیشہ رکھتی ہے آوارہ مجھکو اس کی تلاش ہیں جس کے غمزہ و انداز و ناز فتنہ تراش

چلوں گا سر کے بَل اب جستجوئے جاناں میں — کہ پاؤں کشمکشِ خار سے ہیں واقفِ خراش

وفورِ گریہ سے ویراں ہے عرصۂ عالم — ہے تا بہ اوجِ فلک جوشِ چشمِ دریا پاش

یہ عقدہ ہائے محبت نہ حل ہوئے مجھ سے — ہوا ہے ناخنِ تدبیر اور سینہ خراش

کہیں فلک سے گرے تجھ پہ برقِ بارشِ اشک — تمام راز جو مضمر تھے کر دئے ہیں فاش

کسی کو آئے یقیں کیا مری مصیبت کا

خیالِ یار میں رہتا ہوں رات دن بشاش

ہلالِ عید

اے ہلالِ عید! اے تنشیط کے پیغامبر! — جلوۂ انوار ساماں ہے ترا طورِ نظر

تیرا پیکر پرچم افزائے لوائے عیش ہے
شام تیری دے رہی ہے صبحِ عشرت کی خبر

کیا سخا وجود کی ہم سے توقع ہے تجھے؟
دیکھ کر تجھ کو کریں خیرات کیا؟ لعل و گہر

آہ اب ہم میں نہیں وہ طمطراقِ اوّلیں،
ہم لٹانے کیلئے لائیں کہاں سے سیم و زر

ملتِ بیضا وہ اگلی ملتِ بیضا نہیں
آہ! پھیلایا ہے دامن تو نے کس امید پر

بے زروں سے آرزوئے مال و دولت ہے تجھے
بھیک لیواؤں سے امیدِ سخاوت ہے تجھے

ہم غلاموں سے غلامی کی گراں زنجیر لے
جانِ غمگیں، سینۂ زخمی، دلِ دلگیر لے

ہم نے چھوڑا دین کو اللہ نے چھوڑا ہمیں
ہم سے آہِ نارسا، فریادِ بے تاثیر لے

پیش کرتے ہیں ہم اپنی کشتِ غم کا حاصل
شور و غوغائے سحر لے نالۂ شبگیر لے

آج کل کے مسلموں سے اور کیا تجھ کو ملے
شومیِ تقدیر لے ناکامیِ تدبیر لے

اب کہیں داغِ محبت کا نشاں ملتا نہیں بے تکلف اپنے خنجر سے کوئی دل چیر لے

اے ہلالِ عید دیتا ہے ہمیں پیغام کیا؟
حلقۂ غم کے اسیروں کو خوشی سے کام کیا؟

ننھا سپاہی

(اسد اللہ خان پسرِ عزیز سردار رب نواز خان تمندار کھتران افغان کی تصویر دیکھکر)

اے اسد! اے طفلکِ بے بہرۂ رازِ حیات غم کے نغموں سے نہیں واقف ترا سازِ حیات

رات تیری پُرسکوں ہنگامہ آرا دن ترا دو ضدوں کے ربط سے ہے انقلابی سن ترا

رہنِ کلفت بچۂ معصوم ہو سکتا نہیں شادماں طینت کبھی مغموم ہو سکتا نہیں

تیرے نازک سے بدن پر آہنی ہتھیار ہیں
ابتداء ہی سے شجاعانہ ترے آثار ہیں

عہدِ طفلی ہی میں تجھ کو اسلحہ سے پیار ہے
تُو ابھی سے رہنِ ذوقِ شیوۂ پیکار ہے

تیری پیشانی پہ محشر زار تمکیں ہے عیاں
یعنی رگ رگ میں لہو کھرا نیت کا ہے رواں

یہ وقار و تمکنت، یہ شیوۂ استادگی،
یہ شجاعت، باوجودِ انتہائے سادگی

یہ غرور و خشم، یہ بندوق برداری کا ڈھنگ
یہ مزاجِ سطوت آمادہ، یہ صولت کی امنگ

پیکرِ معصومیت کی یہ ولیرانہ پسن
یہ لڑکپن کے زمانے میں جوانی کے چلن

تاڑ لیتی ہے چھپے جوہر کو فطرت کی نظر
کیوں نہ تصویرِ سپاہی ہو سپاہی کا پسر

تُو نے بدلا ہے سپاہی کا برن از روئے شغل
کاش المجائے طبیعت ہی میں تیری خمیرِ شغل

تُو جواں ہو خدمتِ اہلِ وطن کے واسطے
پھول کھلتے ہیں تو زینِ چمن کے واسطے

حُسن و عشق

(۱)

بُلبُلِ ناشاد کی فریاد حسرت ناک ہے
پھول دِل سوزاں ہے خوں گشتہ ہر دامن چاک ہے
گلشنِ دُنیا کا منظر کس قدر رنگیں ہے — عشق بھی غمگیں ہے اور حُسن بھی غمگیں ہے

(۲)

قمری شعلہ نوا ہے عشق میں آتش بدل
سروِ آزاد اپنی آزادی سے ہے پائے بہ گل

فطرتِ خاموش سرتاسر ستم آئین ہے　　عشق بھی غمگین ہے اور حُسن بھی غمگین ہے

(۳)

کبک کرتا ہے محبت میں تبسّم گریاں
چاند کے رُخ پر ازل سے کھیلتی ہیں زردیاں
روح فرسا قدر تستانِ جہاں کا سین ہے　　عشق بھی غمگین ہے اور حُسن بھی غمگین ہے

(۴)

شعلہ خلنے میں ادا کرتا ہے پروانہ نماز
شمع روتی ہے لہو جلتی ہے رہتی ہے گداز
محفلِ ہستی کا نغمہ دشمنِ تسکین ہے　　عشق بھی غمگین ہے اور حُسن بھی غمگین ہے

الماس

"یادِ ایامِ عشرتِ فانی"

"آغازِ عشرت"

(۱)

محبت میرے جذباتِ نہاں کو گدگداتی ہے
سکوں کو چھیڑتی ہے صبر کو ٹھوکر لگاتی ہے
جوانی کی تمناؤں میں بیتابی دکھاتی ہے مجھے الماس کی رنگیں جوانی یاد آتی ہے

(۲)

مَیں نامعلوم ناوک کی خلش محسوس کرتا ہُوں
تپش نا آشنا دل میں تپش محسوس کرتا ہُوں
کوئی بیتاب بجلی میری رگ رگ میں سماتی ہے مجھے الماس کی رنگیں جوانی یاد آتی ہے

(۳)

مری آنکھوں کے پیمانے نگوں معلوم ہوتے ہیں
مجھے طوفاں بدامن اشکِ خوں معلوم ہوتے ہیں
قرارِ زندگی پر بے قراری چھائی جاتی ہے مجھے الماس کی رنگیں جوانی یاد آتی ہے

(۴)

تصوّر دمبدم آکر مجھے برباد کرتا ہے

کسی کا مُسکرانا بجلیاں ایجاد کرتا ہے
نہ دن کو چین آتا ہے نہ شب کو نیند آتی ہے مجھے الماس کی رنگیں جوانی یاد آتی ہے

(۵)

وُہ جلووں کا تڑپ کر روکشِ صد طُور ہو جانا
وُہ دِل کا حُسن کے انوار سے معمُور ہو جانا
وُہی کھوئی ہُوئی دنیا تصوّر بن کے آتی ہے مجھے الماس کی رنگیں جوانی یاد آتی ہے

(۶)

خیالوں ہی خیالوں میں مَیں اُسکو یاد کرتا ہُوں
سرورِ وصل میں رنگینیاں ایجاد کرتا ہُوں
مرے احساس کی دُنیا ہمیشہ تلملاتی ہے مجھے الماس کی رنگیں جوانی یاد آتی ہے

(۷)

تاثر کے جہاں نے ایک محشر سا اٹھایا ہے
جسے دیکھا تھا اس کو دیکھنے کی پھر تمنا ہے
ادائے شوخ دل کو یاد آ آ کر لبھاتی ہے مجھے الماس کی رنگیں جوانی یاد آتی ہے

(۸)

جنوں انگیزیاں ہیں میری دُنیائے تمنا میں
دلِ وحشی کھنچا جاتا ہے عزلت زارِ صحرا میں
زبانِ خامشی سے وسعتِ ویراں بلاتی ہے مجھے الماس کی رنگیں جوانی یاد آتی ہے

"دورانِ عشرت"

(۹)

محبت، جلوہ و نظارہ کو باہم ملاتی ہے

نیاز و ناز کو دو قالب و یکجاں بناتی ہے

بہشتِ وصل میں تنشیط کی محفل جماتی ہے مجھے الماس کیفِ حُسن کے ساغر پلاتی ہے

(۱۰)

ہے میرے بازوؤں کی زد میں اس کا چمپئی پیکر

جھکے ہیں عشق کے لب حُسن کے رنگین ہونٹوں پر

جوانی کے مزے میں زندگانی کھوئی جاتی ہے مجھے الماس کیف حُسن کے ساغر پلاتی ہے

(۱۱)

میسّر ہیں مجھے الفت سے گرمائے ہُوئے بوسے

کلی سے بھی حسیں ہونٹوں کی گدرائے ہُوئے بوسے

جوانی کو امنگوں کی فراوانی لبھاتی ہے مجھے الماس کیفِ حُسن کے ساغر پلاتی ہے

(۱۲)

شرابی آنکھ سے جذبات کو بہکا رہی ہے وُہ

ادائے دلنشیں سے شوق کو بھڑکا رہی ہے وُہ

محبّت سے محبّت میں بھرے نغمے سناتی ہے مجھے الماس کیفِ حُسن کے ساغر پلاتی ہے

(۱۳)

مری دُنیا پہ ہوتے ہیں برابر حُسن کے حملے

دماغ و رُوح پر قلب و جگر پر حُسن کے حملے

نگاہِ ناز کے سو فار ہیں اور میری چھاتی ہے مجھے الماس کیفِ حُسن کے ساغر پلاتی ہے

(۱۴)

کھلا ہے خُلد کا منظر مری رنگین خلوت میں
لنڈھائے جا رہے ہیں حُسن کے خُم جامِ محبت میں
جھلک صہبائے لالہ گوں کی چمکارے دکھاتی ہے مجھے الماس کیفِ حُسن کے ساغر پلاتی ہے

(۱۵)

بہشتِ زندگانی ہیں محبت کی ملاقاتیں
شرابِ وصل سے مہکی ہیں مرے شوق کی راتیں
جوانی کے بہارستاں میں رنگینی سماتی ہے مجھے الماس کیفِ حُسن کے ساغر پلاتی ہے

(۱۶)

شرابِ حُسن پینے سے فزوں تر تشنہ کامی ہے
امنگوں کی شہنشاہی، تاثر کی غلامی ہے

تمنّا کی برآری پر تمنا بڑھتی جاتی ہے مجھے الماس کیفِ حُسن کے ساغر پلاتی ہے

"انجامِ عشرت"

(۱۷)

گناہوں پر مری معصوم فطرت تھرتھراتی ہے

پشیمانی مجھے اپنے سے بیگانہ بناتی ہے

مرے افکار کو تشہیرِ نفرت گدگداتی ہے مجھے الماس کی صورت سے نفرت ہوتی جاتی ہے

(۱۸)

گناہوں پر مجھے شرمندگی محسوس ہوتی ہے

مذلّت کے گڑھے میں زندگی محسوس ہوتی ہے

ہوس کے کارناموں پر نہایت شرم آتی ہے مجھے الماس کی صورت سے نفرت ہوتی جاتی ہے

(۱۹)

مری فطرت کو گھبراتے ہیں گھبرائے ہوئے بوسے
جلاتے ہیں ہوس کاری سے گرمائے ہوئے بوسے
مری شہوانیت پر رُوح میری کانپ جاتی ہے مجھے الماس کی صورت سے نفرت ہوتی جاتی ہے

(۲۰)

شگوفوں سے شگفتہ ہونٹ کی شادابیاں کب تک
ستاروں سے حسیں رخسار کی مہتابیاں کب تک
جوانی کے چمن میں بھی خزاں آخر کو آتی ہے مجھے الماس کی صورت سے نفرت ہوتی جاتی ہے

(۲۱)

نہ اب وہ عشقبازی ہے نہ اب وہ بادہ نوشی ہے

نہ میری بزم میں الماس کی عصمت فروشی ہے
ہوس رہ رہ کے میرے عزمِ دل کو آزماتی ہے مجھے الماس کی صورت سے نفرت ہوتی جاتی ہے

(۲۲)

خیال آتا ہے جب جذباتِ شیطانی کی راتوں کا
سیہ کاری کی راتوں کا ہوس رانی کی راتوں کا
خیال آتے ہی بجلی سی بدن میں دوڑ جاتی ہے مجھے الماس کی صورت سے نفرت ہوتی جاتی ہے

(۲۳)

مَیں سوتا ہوں تو سونے میں اچانک خواب آتے ہیں
مرے انجام کے مجھ کو بھیانک خواب آتے ہیں
لپک کر آگ سی میرے سراپا میں سماتی ہے مجھے الماس کی صورت سے نفرت ہوتی جاتی ہے

(۲۴)

بہت جلدی حقیقت کی سحر کو جلوہ گر پایا
جوانی ہی میں ہے نخلِ جوانی کا ثمر پایا
قرارِ زندگی میں از سرِ نو رونق آتی ہے مجھے الماس کی صورت سے نفرت ہوتی جاتی ہے

پیامِ عشق

دل میں اے غافل کسی کی یاد رکھ جلوۂ گل سے چمن آباد رکھ
قصرِ ہستی تاکہ ہو پائندہ تر از سرِ نو عشق پر بنیاد رکھ
نغمہ زائی ہے سرورِ زندگی لب کو وقفِ نالہ و فریاد رکھ

عشق میں ممنوع ہے ترکِ جنوں　　دل کو قیدِ عقل سے آزاد رکھ
راز پستی میں ہے مضمر اوج کا　　طبع کو آمادۂ افتاد رکھ
ہے پیامِ عشق "ہستی کی دلیل"
اس پرانی داستاں کو یاد رکھ

ولی وارثی کے نام

اے ولی! وہ عشق کیا جس میں جنوں پیدا نہ ہو
حُسن کا سودا کیا جائے تو پھر سودا نہ ہو

دیکھ بچ بچ کر ذرا باغِ جوانی کی بہار
خوبصورت پھول کے نیچے کوئی کانٹا نہ ہو

بزمِ فانی میں تنک نوشی سے بھی پرہیز کر
جرعۂ مے بڑھتے بڑھتے ایک دن دریا نہ ہو

عشق کرنے میں بہت دشوار ہے کہنے کو سہل
مفت میں یوں کوچہ و بازار میں رسوا نہ ہو

بولنے والے پرندوں ہی کو کرتے ہیں اسیر
بھول کر بھی اس گلستاں میں نوا پیرا نہ ہو

زندگی کی راہ مشکل ہے ذرا بچ بچ کے چل
جس کو تو ذرہ سمجھتا ہے کہیں صحرا نہ ہو

عیش و عشرت میں مزے میٹھے اثر زہر آفریں

اے گراں قیمت! سرِ بازار یوں سستا نہ ہو

خود پرستی کی گراں زنجیر سے آزاد ہو

خدمتِ ملّت کے لالہ زار میں آباد ہو

آہ تو لذّت شناسِ خوابِ غفلت ہے بہت

اور تیری قوم کے سر پر مصیبت ہے بہت

دنیوی دولت کے حسنِ ظاہری کو دل نہ دے

اہلِ ایماں کے لئے ایماں کی دولت ہے بہت

درہم و دینار کیا ہیں مومنوں کے سامنے!

ہاشمی محبوبؐ کا داغِ محبت ہے بہت

بڑھ رہے ہیں خواجگی کے ظلم تو بیٹھا ہے چُپ
بندۂ مزدور کو تیری ضرورت ہے بہت
قوم سہتی جائے گی تا چند غیروں کے ستم
اہلِ حریت کو محکومی میں ذلت ہے بہت
شاعری میں حالتِ مسلم پہ رویا کر لہو
تیز اس میدان میں تیری طبیعت ہے بہت
آخرش یہ حالت خوابِ پریشاں تا بہ کے؟
جانتا ہوں میں تجھے پاسِ حمیت ہے بہت

مسلموں کے دِل سے ایماں کا یقیں جاتا رہا
مغربی طوفان کی موجوں میں دیں جاتا رہا

اٹھ کہ اٹھکر غارتِ تہذیبِ شیطانی کریں
دھر میں رسمِ مسلمانی کی ارزانی کریں
فرقہ بندوں میں مٹا کر امتیازِ رنگ و خوں
از سرِ نو پھر اخوت کی فراوانی کریں
اہلِ ایماں کو بنا کر نارکِ تہذیبِ نو
پھر پرانے حلقۂ آئیں میں زندانی کریں
پھونک دیں برقِ نفس سے باطلستانِ جہاں
اس قدر بے پردگیِ سوزِ پنہانی کریں
ہو نہیں سکتا تن آسانی سے منزل کا حصول
ہے یہی بہتر کہ ترکِ ساز و سامانی کریں

چاہیے تھم کو کہ روئیں اور رُلائیں قوم کو
شاعری میں مسلموں کی مرثیہ خوانی کریں
بے خبر! بس ہے اسی میں اہلِ ایماں کی نجات
خدمتِ اسلام میں اپنا لہو پانی کریں

وقت کہتا ہے کہ اب باطل فنا ہونے کو ہے
اور زمانہ رازِ حق سے آشنا ہونے کو ہے

فرقت

محوِ تلاشِ یار ہوں اور دل جلا ہُوں میں
آغوشِ کوہسار میں آ کر چھپا ہُوا ہُوں میں

مرغانِ نغمہ سنج یہاں ہیں نوا فروش
میں لذتِ نوا سے ہمہ تن بنا ہوں گوش

کلیاں ہنسی ہنسی میں ہیں سرگرمِ گفتگو
غنچے بھی خامشی میں ہیں سرگرمِ گفتگو

جوشِ نشاط سے ہے بھرا نغمۂ ہزار
یعنی ہے دردِ غم کی دوا نغمۂ ہزار

مستِ خرام ناز ہے موجِ بہار آج
بادِ بہار چلتی ہے مستانہ وار آج

ندی مری نگاہ میں کیوں اڑ رہا ہُوئی
دیوانہ تو نہیں ہوں مری عقل کیا ہُوئی

اک جوش میرے دل میں اٹھاتی ہے چاندنی
اُس ماہ وش کی یاد دلاتی ہے چاندنی

سُنبل کہ ہم شبیہ ہے گیسوئے یار سے
اُس سے ہیں لوٹتے مرے سینے پہ مار سے

آوازِ آبِ جُو بھی مجھے شورِ صور ہے
اِک ٹھیس ہی سے شیشۂ دِل چُور چُور ہے

قمری فدائے سرو ہے بلبل فدائے گُل!
اے کاش! ہو وہ سرو بھی نزہت فزائے گُل

"فرقت" کی شب ہجوم ہے رنج و ملال کا
دکھلا رہا ہے چرخ بھی خنجر ہلال کا

مجھکو بہارِ گل میں بھلا کیا شکیب ہو
ہاں! پھر شکیب ہو جو وہ زاہد فریب ہو

شایانِ ضبطِ رنج مرا دل نہیں رہا
اب احتمالِ درد کے قابل نہیں رہا

نشاط باغ کشمیر

(۱)

منظرِ ہوش رُبا ہے شفقِ شامِ نشاط
یعنی لبریزِ مئے ناب سے ہے جامِ نشاط
قدرتیں حُسن دکھاتی ہیں چمن زاری میں "کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں"

(۲)

پتّے پتّے کی زباں دیتی ہے پیغامِ بہار
نوعروسانِ چمن پر ہے قیامت کا نکھار

نامیہ جذب ہوئی جاتی ہے گلکاری میں "کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں"

(۳)

برہمن زادیاں کس ناز سے ہیں جلوہ فروش
حسن کو اپنے اثر کا ہے نہ احساس نہ ہوش
سادگی دشمنِ ایمان ہے پرکاری میں "کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں"

(۴)

کیفیت ریز ہے کیا رنگِ بہارِ کشمیر
بادہ و مغنیہ و چنگ و نگارِ کشمیر
ہوش اڑتے ہیں نگاہوں کے نگہداری میں "کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں"

(۵)

ساقیا! دستِ حنائی میں اٹھا مینا

ہاں پلا خُوب پلا! خُوب پلا!! خُوب پلا!!!

فرق کو دخل رہے مستی نہ ہشیاری میں "کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں"

چکور اور چاند

زینت افزائے قفس تو ہے اے کبکِ دری! یا خرام ناز میں ہے قاف کی نیلم پری

کرتی ہیں تیری نگاہیں جذب نُورِ ماہ کو تیری چشمِ شوق میں مستور ہے جادوگری

منعکس آئینۂ دل میں ہے تیرے وہ ضیا بخشدی ہے جس نے تجھکو شوکتِ اسکندری

ہے ترا پیکر عجب سرمایہ ارسوز و ساز تیری ہستی میں ہے عشق و حُسن کی جلوہ گری

ہے یک آہنگ تو مجموعۂ ناز و نیاز — دیکھتا ہوں تجھ میں شانِ دلدہی و دلبری

شاہد و مشہود میں ارض و سما کا فرق ہے — تو زمیں پر چاند ہے بالائے چرخِ چنبری

تیرے اس ننھے سے دل میں آ گیا طوفانِ غم — کشتیِ مہ جب ہوئی غرقِ یمِ نیلوفری

از کجا نیرنگہائے جانگداز آموختی!

ایں تنوّع از کدام افسوں طراز آموختی؟

سُلطان ابن سعُود اور امام یحییٰ

ابنِ سعُود نے دِیا یحییٰ کو یہ پیام

نُصرت نہیں ہے سہل تو دشوار بھی نہیں

افسوس! عزمِ صلح کو سمجھا ہے بزدلی
تجھ میں شعورِ مصلحتِ کار بھی نہیں

تھی سعیِ آشتی کہ تھی دو مسلموں میں جنگ
تو رمزِ سلطنت سے خبردار بھی نہیں

اسلامیوں کے ہاتھ سے اسلامیوں کا خون!
بے دین تو نہیں ہے تو دیندار بھی نہیں

اپنوں سے بَیر رکھنا خلافِ اصول ہے
تجھ میں قیاسِ فرقِ گل و خار بھی نہیں

باہم مصالحت کو بُرا جانتا ہے تو
کیا عقل! تجھ میں عقل کے آثار بھی نہیں

زعمِ بہادری ہے تو میداں میں آ کہ ہم
ناآشنائے شیوۂ پیکار بھی نہیں

تیرے سپاہیوں میں شجاعت تو درکنار
اُن میں تو تاب و طاقتِ یلغار بھی نہیں

اپنی گریز پائیِ پیہم کو یاد رکھ
طعنِ شکست سے تجھے کچھ عار بھی نہیں!

ہیں اہلِ نجد، اہلِ یمن سے کئی گنے
کیا واقفیّتِ کم و بسیار بھی نہیں؟

اِس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خُدا!
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں"

غزلیات

غزل

حاصل ہے کشتِ زارِ تمنا سے کیا مجھے
خرمن بھی گر جلا ہے تو برقِ آشنا مجھے

اُس بے وفا کی خُو نے یہاں تک اثر کیا
آنے لگی ہے اپنی وفا سے حیا مجھے

رنجیدہ اور ہو گئے سُنکر وہ حالِ دل
یعنی میری زبان نے رسوا کیا مجھے

کہتے ہیں لوگ عشق میں مرنا ہے زندگی
ہو کاش امتیازِ فنا و بقا مجھے

وہ ظلم کر کے میری فغاں کے ہیں منتظر
گویا سمجھ لیا ہے کوئی بے وفا مجھے

صابر وہ رنج اٹھائے کسی کے فراق میں
اب ترکِ مدعا ہے فقط مدعا مجھے

غزل

ہے کہاں کی آگ بھری ہوئی مرے دل کے پردۂ ساز میں
کہ ہر ایک نغمہ نکل رہا ہے غریق سوز و گداز میں

مجھے عشق کی جو خلش نہ ہو ترے حسن میں بھی کشش نہ ہو
جو نہ صید ہو دلِ غزنوی تو نہ خم ہو زلفِ ایاز میں

مرے دل کو غم سے زبوں کیا مری آرزوؤں کا خوں کیا
مجھے سچ بتا بت سحر فن! فیصوں ہے کیا ترے ناز میں

کوئی شمع رو سرِ انجمن جو جلا رہا ہے مجھے تو کیا
مری زندگی تو اسی میں ہے کہ رہوں میں سوز و گداز میں

نہ ملے گا وہ دُرِ بے بہا نہیں بحرِ خوں جو جگر ترا
جسے عشق کہتے ہیں اہلِ دل وہ نہاں ہے پردۂ راز میں

تری چشمِ مست نے کر دیا مجھے مستِ بادۂ زندگی
یہ سرورِ روح فزا کہاں ہے شرابِ شیشہ گداز میں

جو یہی حقیقتِ عشق ہے تو مدام وصل کا رکھ یقیں
اگر آگ ہے تری آہ میں تو لگے گی دامِ مجاز میں

دمِ سجدہ میری نگاہ میں وہی شوخ جلوہ فگن رہا
میں خدا کو کیسے خدا کہوں کہ ملا کبھی نہ نماز میں

یہ بہارِ گلشنِ دہر ہے مرے آہ و نالہ پہ منحصر
میں وہ مُرغ راندۂ خُلد ہُوں کہ ہو غرقِ نغمۂ راز میں
جو میں سرخوش مے مغربی وہ دو چار کیفِ اجل سے ہیں
لئے جانفزا کی ہے آرزو تو ملے گی جامِ حجاز میں

غزل

کب دل لگا کے غم سے سبکدوش ہم ہُوئے
اُلٹے رہینِ جذبِ جفا کوش ہم ہُوئے

چھایا ہے دُودِ آہِ جگر مرسے تا بپا
مثلِ چراغِ کشتہ سیہ پوش ہم ہُوئے

اس جلوہ گاہِ ناز میں جاتے رہے حواس
نظارے کی شراب سے مدہوش ہم ہُوئے

طفلی ہی میں کسی کی ادا دل کو بھا گئی　　آنے ہی کو تھا ہوش کہ بے ہوش ہم ہوئے

دیکھیں نگاہِ مست کی پیہم نوازشیں　　خوب آج بزمِ یار میں مے نوش ہم ہوئے

صابر اب آئیں گلشنِ عشرت میں کیا نظر

صحرائے غم کی گرد میں روپوش ہم ہوئے

غزل

دردِ دل سُنکر وُہ جب فرمائیں کیا!　　چیر کر سینہ اُنہیں دکھلائیں کیا؟

جانتے ہیں وہ مجھے ایذا پسند　　ظلم سے باز آئیں تو باز آئیں کیا؟

ہائے! میری بے سر و سامانیاں　　کہتے ہیں وُہ تیرے گھر ہم آئیں کیا؟

بے رُخی تو ہے حسینوں کی ادا دیکھ کر اُن کے ستم مر جائیں کیا؟
خوف رہتا ہے کہ وہ بدظن نہ ہوں حال دل کا ہم اُنہیں بتلائیں کیا؟
عین راحت ہو گئی افسردِ رنج جورِ پیہم سے ترے گھبرائیں کیا؟
صابرِ بے صبر ہے گرمِ فغاں
آخر اس نادان کو ہم سمجھائیں کیا؟

غزل

دہشت سے دہر کو تہ و بالا کیا نہ جائے دیوانے دیکھ عشق کو رسوا کیا نہ جائے
بس ہے اسی میں کشتیِ الفت کی آبرو ہرگز خیالِ ساحلِ دریا کیا نہ جائے

مانا کہ تیرے حُسن کے جلوے ہیں بیقرار
پر دل تو بیقرار کسی کا کیا نہ جائے

دل بیچتا ہُوں ایک نظر پر تمہارے ہاتھ
اب بھی اگر گراں ہے یہ سودا کیا نہ جائے

در پردہ اُس کی چشمِ فسوں زا نے کہدیا
دردِ نہاں کے راز کو افشا کیا نہ جائے

گر تابِ ضبط کا نہیں دعوےٰ تو حشر میں
بہتر ہے اُن پہ خُون کا دعویٰ کیا نہ جائے

صابر کا حالِ زار نہیں قابلِ بیاں
سچ ہے کہ دل رہین تمنّا کیا نہ جائے

غزل

ہم اپنا سر کرو تیغ عشق کرتے ہیں
گذرنے والے اسی راہ سے گذرتے ہیں

مجھے شبابِ جوانی میں غم بلا پھر کیا؟

بہار ہی میں تو بلبل کو قید کرتے ہیں

ہمارے دیدۂ حیراں کی رونقیں دیکھو

وہ دیکھ کر اسی آئینے کو سنورتے ہیں

نگاہ پھیرنے والے ہو تیری عمر دراز

ہم آج تیغِ محبت کے گھاٹ اترتے ہیں

ہے فرطِ درد میں مضمر علاج درد اے دل

نہ ڈر کہ فیضِ نمکداں سے زخم بھرتے ہیں

خرامِ ناز سے پھولوں کو روندنے والے

ٹھہر ٹھہر کہ مرے اشکِ خوں بکھرتے ہیں

عدم میں کیا روشِ بود و باش ہے صابر
کہ لوگ اُس کیلئے جان سے گذرتے ہیں

غزل

مَیں اگرچہ رہزنِ ستم رہا پہ وہی وفا طلبی رہی
جو تھی آگ سوزشِ عشق کی وہ درونِ سینہ دبی رہی
تری برقِ جلوۂ حُسن نے مرے دل کو راکھ بنا دیا
نہ وُہ آرزو، نہ وُہ جستجو، نہ وُہ مدعا طلبی رہی

مَیں اگرچہ محفلِ یار میں رہا احتیاط سے بستہ لب
مگر اُس پہ بھی یہ کہا گیا تجھے خوئے بے ادبی رہی

ترے رعبِ حُسن نے بزم میں مجھے ضبطِ غم کا سبق دیا
مرے لب میں نالہ چھپا رہا مرے دل میں آہ دبی رہی

مَیں وہ مرغِ نالہ پسند ہُوں کہ قفس سے آ کے چمن میں بھی
لبِ شکوہ سنج پہ دمبدم یہ فغاں نسیم شبی رہی

غزل

جب سے دل مرغِ محبت کا نشیمن ہو گیا تن رہینِ داغ لب پابندِ شیون ہو گیا

آرزو میری نہیں منت کشِ سیرِ چمن
اشکِ خوں سے غیرتِ گلزار دامن ہو گیا

معرضِ دردِ محبت ہو کے ہم رسوا ہوئے
پیشتر سے بیشتر وہ شوخ بدظن ہو گیا

جاگزیں دل میں ہوا اک آرزوؤں کا ہجوم
یہ مکاں ناخواندہ مہمانوں کا مسکن ہو گیا

بڑھ گئی ہیں حد سے میری سوختہ سامانیاں
شوق سے برق آشنا آغوشِ خرمن ہو گیا

قیدِ الفت میں خیالِ آزادگی کا ہے عبث
حلقۂ زلفِ پریشاں طوقِ گردن ہو گیا

ہاں! اساسِ قصرِ ہستی ہے یقیناً انقلاب
عیشِ پیہم آخرش سامانِ شیون ہو گیا

اب ہوا معلوم ہم کو عشق بازی کا مآل
کشورِ دل آہ! امیدوں کا مدفن ہو گیا

منزلِ الفت میں صابرؔ ہم نے جب رکھا قدم
پاس تھا لے دے کے اک دل نذرِ رہزن ہو گیا

غزل

میں نے یہ مانا مرادِ دل یاس و حسرت زادہ ہے
حُسن کس کا پُر طلسم و سحر کا دلدادہ ہے

گرم ہو کر بزم مے ہوگی جوابِ رستخیز
اک ہیولیٰ شورِ محشر کا خروشِ بادہ ہے

بے تکلف ہم کسی کی سادگی پر مر مٹے
جانستاں تر حُسنِ پُر زینت سے حُسن سادہ ہے

کچھ نہ پوچھو دلفریبی اُس خرامِ ناز کی
دیدہ ہائے نقشِ پا سے منتظر ہر جادہ ہے

بزمِ مے بے روئے ساقی بن گئی ماتم کدہ
خونِ حسرت آج شیشوں میں بجائے بادہ ہے

ناخنِ غم! تیری مضرابی کی کچھ حاجت نہیں
سازِ دل خود نغمہ اندوہ کا دلدادہ ہے

اس جہاں کی بے ثباتی کا نہ صابرؔ حال پوچھ!
سامنے آنکھوں کے جوشے ہے فنا آمادہ ہے

غزل

سراسر موت ہے آفاق میں جستجو رہنا
حیاتِ جاوداں ہے رہینِ ذوقِ آرزو رہنا

مرا دل مسکنِ رنج و غم و آلام و حسرت ہے
پسند آئے تجھے اس گھر میں کیا آسودہ رو رہنا

سیہ خانے میں گلزارِ ختن کا لطف اٹھاتا ہوں
مجھے مرغوب ہے محبوسِ زلفِ مشکبو رہنا

مرا ہر زخمِ دل اے چارہ گر خود مندمل ہو گا
گوارا ہو مجھے کیوں رہینِ احسانِ رفو رہنا

نہ بجلی بیقرار ایسی نہ پارہ مضطرب ایسا
کہاں سے تو نے سیکھا آخر اتنا تند خو رہنا

کوئی ساعت خیالِ یار سے خالی نہیں جاتی
مرا مذہب ہے اے صابر رہینِ آرزو رہنا

غزل

دل تو ہر دم چاہتا ہے ان کو دیکھا کیجئے
مانعِ نظارہ حیرت ہو تو پھر کیا کیجئے

کارگر ہو جائے شاید طعنۂ اہلِ جہاں
کوچہ و بازار میں ہاں مجھکو رسوا کیجئے

وصل میں بھی تو وُہی ہیں ہجر کی بے تابیاں
کس توقع پر تمنا کی تمنا کیجئے

کشورِ وحشت میں ہے طفلِ بستانِ قیس بھی
تا کجا مشقِ خیالِ زلفِ لیلیٰ کیجئے

کہتے، وہ "ساری دُنیا ہے وفا ناآشنا"
دل کو کس امید پر وقفِ تمنا کیجئے

عشق میں صابرؔ ہجومِ نا امیدی ہے امید
یاس کی کب تک شکایت ملئے بے جا کیجئے

غزل

مدارِ جوشِ وحشت جبکہ ہے فصلِ بہاراں پر
کوئی کیوں طعنہ زن ہو پھر مرے چاکِ گریباں پر

نہ پوچھو لذتِ نشترِ جراحت پارۂ دل کی
رہینِ رقصِ از خود رفتگی ہے نوکِ پیکاں پر

ہماری قبر پر برسِ شفق آلود تو دیکھو
بہاتا ہے فلک بھی اشکِ خونیں خاکِ شیداں پر

سُنا ہے عیش پیہم ہے نتیجہ رنجِ بیحد کا
یہی بہتر ہے کھدوں داغ ہائے دل نمکداں پر

کہاں کی گرمیاں پنہاں تھیں میرے دل کے چھالوں میں
کہ شعلے سینکڑوں پیدا ہوئے ہر نوکِ پیکاں پر

مرا گھر بعد میرے کیوں نہ اک ویرانہ ہو جاتا
نہیں اب قیس تو حسرت برستی ہے بیاباں پر

کہوں کیا چیرہ دستی پنجۂ وحشت کی اے صابر
اگر ہے آج دامن پر تو کل ہوگا گریباں پر

غزل

مرا جاتا ہوں میں دردِ نہاں سے
رگِ جاں مل گئی نوکِ سناں سے

نمکداں ہی ہے داغِ دل کا درماں
بہار اٹھتی ہے آغوشِ خزاں سے

تبسم کیا ہے؟ تڑپاتے ہو بجلی
جفا میں ہیں وفاداری کے جھانسے

قفس میں لائی ہے رنگیں نوائی
مجھے چسکا لگا اپنی زباں سے

دو نورِ غم ہے عیشِ جاودانی
ٹپکتی ہے وفا جورِ بتاں سے

بُرا ہو ایسی وحشت کا بُرا ہو
لرز جاتے ہیں وہ شورِ فغاں سے

قیامت ہیں محبت کی نمازیں
جبیں اٹھتی نہیں ہے آستاں سے

غزل

ہم سے وُہ پوچھتے ہیں "تمہارا ہے گھر کہاں" ہم بادیہ نورد بتائیں مگر کہاں

زیرِ نقابِ حُسن کے جلوے ہیں بیقرار دیکھو پہنچ رہی ہے ہماری نظر کہاں

سرنامے پر نہ لکھنے دیا نام رشک نے خط بھی جواُن کو بھیجوں تو ہے نامہ بر کہاں

اے بختِ تیرہ! پہنچے وہ بزمِ رقیب میں شب تھی کہاں، ہوا ہے طلوعِ سحر کہاں

لازم ہے آج نقدِ دل و دیں برائے نذر آتا ہے روز وہ بُتِ بیداد گر کہاں

طوفانِ نوح کا ہے زمانے میں کیوں بپا جی بھر کے رو چکی ہے ابھی چشمِ تر کہاں

صابر! مرے کلام میں مخفی نکات ہیں
تا مدعا رسائیِ اہلِ نظر کہاں

غزل

محبت میں مزا خوشی جانتے ہیں
کہ عاشق اِسے زندگی جانتے ہیں

تمہاری خوشی کو خوشی جانتے ہیں
خُدا کی قسم ہم یہی جانتے ہیں

اُنہیں تو ہے مدِّنظر خودنمائی
کسی کی وُہ کب بیکسی جانتے ہیں

ہو دل جن کا پرزے جسم تن چھلنی چھلنی
محبت کی لذت وُہی جانتے ہیں

کوئی تو مرے اور کسی کی ادا ہو
سِتم کو وُہ اک دل لگی جانتے ہیں

یہی کہہ کے وُہ ٹال دیتے ہیں مجھ کو
ترا حالِ دل ہم سبھی جانتے ہیں

غم و رنج سے تیرے صابرؔ انہیں کیا
وُہ رونے کو تیرے ہنسی جانتے ہیں

غزل

آبلہ پائی سے مجنوں بے سبب بیتاب ہے
دشتِ الفت میں تو کانٹے کی خلش نایاب ہے

ناوکِ پیہم سے روز افزوں ہے جوشِ انتظار
یعنی ہر سوراخِ دل اک دیدۂ بے خواب ہے

تنکے تنکے میں ہیں پوشیدہ شعاعیں برق کی
میرا کاشانہ سراسر "سوختن کا باب" ہے

جوشِ گریہ سے نہیں دل گرم شیون اے ندیم!
شورِ گلبانگِ نشاطِ مقدمِ سیلاب ہے

نغمہ ہائے التفاتِ خسروِیاں کیا کہوں
بربطِ دل کو ہر اک تیرِ مژہ مضراب ہے

اُس بُتِ محشر ادا کی برق رفتاری نہ پُوچھ!
خرمنِ دل تو اسی شعلے سے لنت یاب ہے

وجد طاری ہے سرورِ قتل سے اے تیغ زن
کون کہتا ہے کہ بسمل وقفِ پیچ و تاب ہے

صابرِ زنداں نشیں کی اشک باری دیکھنا!
حلقۂ زنجیرِ آہن، حلقۂ گرداب ہے

غزل

شعاعِ برق ہر رشتہ ہے گویا دام گاہوں میں
غضب کی گرمیاں ہیں نو گرفتاروں کی آہوں میں

تمنا ہے کہ وہ وقتِ خرامِ ناز ٹھکرا دیں
میں اپنے دل کے ٹکڑے پھینکتا پھرتا ہوں راہوں میں

جلا جاتا ہوں جب آنکھیں بدل کر دیکھتے ہیں وہ
بلا کی بجلیاں مستور ہیں ترچھی نگاہوں میں

نہ فرق آیا خروشِ عشق میں کچھ ناتوانی سے
وہی ہے جوش نالوں میں وہی ہے سوز آہوں میں

مجھے معلوم ہے موسےٰ نے جو کچھ طور پر دیکھا
کہ مدت تک رہا ہوں میں بتوں کی جلوہ گاہوں میں
قبولیت نہیں ہے دُور کچھ شانِ کریمی سے
مجھے واعظ! خُدارا غرق رہنے دے گناہوں میں
فلک سے کیا کروں میں شکوۂ رنج والم صابر
کہ وُہ خود بھی تو ہے اُس فتنہ گر کے دادخواہوں میں

غزل

تاریک یا زلف میں سارا جہان ہے پیچیدگی زمین سے تا آسمان ہے
پیہم سجود نے مجھے کافر بنا دیا ماتھے پہ گویا سجدۂ بُت کا نشان ہے

شوخی سے بے حجاب ہوا ہے کسی کا حُسن — اے دل! سنبھل کہ آج تیرا امتحان ہے
اُس رُخ پہ کن اداؤں سے لہرا رہی ہے زُلف — بوسے کی چھیڑ چھاڑ میں شب درمیان ہے
ان آبلوں پہ ٹوٹ پڑا کیوں نہ آسماں — صحرا کا خار خار مرا راز دان ہے

صابرؔ! خیالِ لعلِ بُتاں کا اثر نہ پُوچھ
اب دل پر ایک قطرۂ خوں کا گمان ہے

غزل

خیال آیا انہیں بکھری ہُوئی زلفیں بنانے کا — یہی موقع ہے اہلِ عشق کے ضبط آزمانے کا
کروں کیا اس حسیں کو امتحاں منظور ہے ورنہ — دماغ اتنا کہاں ہے مجھ کو سوزِ غم چھپانے کا
سرِ محفل بلایا بھی تو انگشتِ حنائی سے — نہ چھوڑا ڈھنگ ظالم نے کبھی ہم کو جلانے کا

چمن میں ہمصفیرا اک طائرِ سوزِ آشنا ہوں میں
بنی ہے ہر کرن بجلی کی تنکا آشیانے کا

وہ آئے تھے مرے پہلو میں تسکیں کیا مجھے لیکن
اڑا کر لے گئے دل۔ کیا کرشمہ ہے بہانے کا

نہ پوچھو جز خارِ الم کی وسعتیں صابر
حباب آسا نمایاں اس میں ہے نقشہ زمانے کا

غزل

کچھ نہ پوچھو! عاشقِ آوارہ کس مشکل میں ہے
ہر قدم پر حشر برپا عشق کی منزل میں ہے

عاشقوں کو پاسِ ننگ و نام سے مطلب نہیں
شمع سے پروانے کی چشمک بھی محفل میں ہے

قتل سے میرے کسی کی سرخروئی دیکھنا
یعنی میرے خون کی مہندی کفِ قاتل میں ہے

روز و شب ہے سابقہ رنج و غم و آلام سے
ناشکیبائی ازل سے میری آب و گل میں ہے

شکوۂ بیجا نہ کر اے صابرِ شوریدہ سر!
تو نہیں تو خیر تیرا ذکر اُس محفل میں ہے

غزل

دام میں پھنسکے مجھے شاخِ شجر یاد آئی
ہائے! کب کشمکشِ بازوئے پر یاد آئی

ڈھونڈتا پھرتا ہوں تیرے در و دیوار کو میں
پھر مجھے اپنی گراں بارئ سر یاد آئی

آبلے پھوٹ کے خاروں میں پروتے ہیں گہر
پھر سرِ دشت تری کاکلِ تر یاد آئی

غزل

قتل کر تو کہیں قتل سے ناشاد نہیں
دمِ عیسےٰ ہے دمِ خنجرِ بیداد نہیں

چشمکِ برق سے پیدا ہے تبسم تیرا
میری دنیا نہیں برباد جو آباد نہیں

ہر قدم پر ہے شبستانِ سیہ بختیٔ عشق
دشت میں بھی ہمیں تکلیفِ سفر یاد نہیں

اشکِ غم پر ہے اُسے گریۂ شادی کا گماں
ہائے افسردہ بھی میری کوئی فریاد نہیں

ہے جفا ان کو پسند اور وہ ہیں دل کو پسند
یعنی ناشاد نہیں ہوں میں اگر شاد نہیں

ہر رگِ گُل ہے مجھے رشتۂ دامِ صیاد
میں وہ طائر ہوں کہ گلشن میں بھی آزاد نہیں

تیزیٔ بادِ صبا غنچے کو گُل کرتی ہے
بڑھ گئی حد سے جو بیداد وہ بیداد نہیں

چھڑ گیا ذکر جو اُس بزم میں صابرؔ تیرا
کس نزاکت سے وُہ بولے کہ "نہیں یاد نہیں"

غزل

بُتوں کے کُوچے سے ہم آج مُنہ کی کھا کے چلے
کہ حُسن لوٹنے آئے تھے دل لُٹا کے چلے

وُہ مسکرانے بھی پائے کیا نظر مِلا کے چلے
کہ دل اُڑا کے چلے بجلیاں گرا کے چلے

تمہیں قسم ہے تمہاری ادا کی سچ کہنا
اسے بھی کہتے ہیں آنا کہ آئے آ کے چلے

تمہارا حُسن ہے یا برقِ آتشِ افگن ہے
جدھر سے ہو کے چلے آگ سی لگا کے چلے

ہزاروں زخم مرے دل نے کھائے دم بھر میں
تمہارے تیرِ نظر تھے کہ بلا کے چلے

تمہارا آنا تو گویا قضا کا پھیرا ہے کسی کو مارا کسی کا لہو بہا کے چلے

نہ اُن کی چال کے نیرنگ پوچھ! اے صابرؔ

کبھی ہنسا کے چلے اور کبھی رُلا کے چلے

غزل

عشقِ جاناں میں دل کو داغ مِلا اس سیہ خانے کو چراغ مِلا

جوشِ وحشت کو ہیں دبائے ہوئے ضبط سے مجھ کو یہ دماغ مِلا

روح افزائی شراب نہ پُوچھ! رگِ جاں سے خطِ ایاغ مِلا

ہاں! حقیقت کا نردباں ہے مجاز بُت سے اللہ کا سُراغ مِلا

جاں کو حاصل ہوئی کب آسائش دل کو دنیا میں کب فراغ ملا

نزع میں وُہ نہ آئے اے صابرؔ

آخری وقت میں یہ داغ ملا

غزل

اڑاتی ہیں ہنسی مل کر چمن میں قمریاں میری

طلسمِ بختِ واژوں ہے مگر طرزِ فغاں میری

سُراب امید کا کب تک کرے گا آبِ حیوانی

بنے گی رہنما آخر تو مرگِ ناگہاں میری

وہ خس ہوں میں کہ جو پروردۂ آغوشِ گلخن ہو
وہ خرمن ہوں کہ ہے ہمزاد خود برقِ طپاں میری

کروں گا اب نوا ریزی کسی صحرا کے دامن میں
چمن والے تو سن سکتے نہیں آہ و فغاں میری

نہ ہو اے بے زبانی! مانعِ اظہارِ حالِ دل
زمانے کے لئے ہے درسِ عبرت داستاں میری

بہت کچھ ناز ہے تیغِ ادا پر تجھ کو اے قاتل!
گراں جانی کھلے گی تجھ پہ قوتِ امتحاں میری

تعجب ہے کہ اس کے دل کو جنبش تک نہیں ہوتی
فلک کو بھی ہلا دیتی ہے تاثیرِ فغاں میری

سحر تک کشمکش میں ہوں سوادِ شامِ فرقت سے
کسی ساعت ملے راحت یہ ہے قسمت کہاں میری
نہیں گم گشتہ میں اک عالمِ امکاں میں اے صابرؔ
خبر ملتی نہیں ہے تا فضائے لامکاں میری

غزل

کسی کا خواب میں آکر نظارہ کوش ہو جانا
ہے بے ہوشی میں میرے واسطے بے ہوش ہو جانا
تصور کیا ہے ؟ نیرنگِ نگاہِ شوق کا منظر
کسی کا دیکھتے ہی دیکھتے روپوش ہو جانا

مجھے اندیشۂ غم کیا ؟ کہ غم میں میرے ساقی نے
سکھایا ہے رہینِ بادۂ سرجوش ہو جانا
قیامت ہے کسی کا ہنس کے آنچل کو اُلٹ دینا
کسی کا یک بیک محروم عقل و ہوش ہو جانا
درائے ناقۂ لیلےٰ کہیں تو بانگ زن ہوگی
بیاباں زار کے ذرو! سراپا گوش ہو جانا

غزل

شوقِ دیدار کو مانع کوئی تدبیر نہیں دیدۂ باز ہے یہ حلقۂ زنجیر نہیں

دردِ جاوید سے ہے شانِ محبت قائم — مرحبا! نالہ مرا خوگرِ تاثیر نہیں

آج مغموم سا کیوں ہے دلِ آزار طلب — شائد اُس شوخ کے ترکش میں کوئی تیر نہیں

عشق والوں کے لئے درد ہے سامانِ حیات — نغمۂ عیش ہے یہ نالۂ شبگیر نہیں

صابر! آزار نہاں صاف ہے چہرے سے عیاں
داستاں عشق کی منت کشِ تقریر نہیں

غزل

مَیں ہُوں وہ ایک مشتِ خاک جو وسعت میں صحرا ہے
تمنا ہے جو میری ایک عالم کی تمنا ہے

جنوں کیا جوشِ وحشت کی حقیقت کیا ہے اے ہمدم
مری حسرت سرائے دل میں ہر دم حشر برپا ہے

ہے وہ چشمِ خمار آلود محوِ نغمہ پیرائی
نہیں عریاں یہ سُرخیٔ آتشِ آوازِ گویا ہے

یہ مانا تو نہیں قائل قیامت کے تزلزل کا
مگر ظالم! کبھی تو نے تڑپنا دل کا دیکھا ہے؟

نہ رو کو ہمصفیرو! مجھ کو قسمت آزمائی سے
تڑپنا ہی اگر ٹھہرا تو فکرِ بال و پر کیا ہے؟

تماشا گاہِ الفت کی نہ صابرؔ! پوچھ بیرنگی
یہی عالم ہے وہ جس میں خوشی کا نام عنقا ہے

غزل

آتشِ دل سے شرار افشاں ہے شہپر تیر کا
مرحبا کیا ہی اثر ہے جذبۂ نخچیر کا

اُس پری نے جب نگاہِ گرم سے دیکھا اِدھر
پانی پانی ہوگیا آہن مری زنجیر کا

اہتمامِ مقتلِ اہلِ تمنا دیکھنا!
کرتا ہے آئینہ بندی آئینہ شمشیر کا

کس نے شوخی سے ہے پھینکا اس طرف تیرِ نظر
مُنہ چھپاتی ہے کماں پھیلا کے دامن تیر کا

عقدۂ مشکل کی لذت کشمکش سے بڑھ گئی
کیوں نہ ہوں مرہونِ منت ناخنِ تدبیر کا

حُسن کی خوبی اگر ہے سادگی پر منحصر
نقش ہے تجھ سے بھی دلکش تر تری تصویر کا

موت آئی مشکلیں فرقت کی آساں ہوگئیں
درد ہی مرہم بنا زخمِ دلِ دلگیر کا

وہ حسیں مقتل میں بولا دیکھکر صابر کی نعش
کس کی گردن پر ہے خوں اس عاشقِ دلگیر کا

غزل

وُہ شے ہے عشق شرحِ تمنا کہیں جسے
اہلِ نظر جنونِ تماشا کہیں جسے

دل میں فسونِ حُسن سے سیماب پا ہُوئی
اک موج شوق ہمسرِ دریا کہیں جسے

محفل میں گرم کیف نوازی ہے دمبدم
وہ چشمِ مست ساغرِ صہبا کہیں جسے

اے قیس! دشتِ عشق ہے کیا وحشت آفریں
اک اژدہا ہے طرۂ لیلیٰ کہیں جسے

ظلمت سرائے عشق میں چمکی وہ برقِ حسن
حرماں نصیب دل کا سہارا کہیں جسے

نکلی ہے دل سے آہِ شرر بار اے ندیمؔ! اہلِ نگاہ شعلۂ سینا کہیں جسے
روزِ ازل سے خانۂ دل میں ہے جاگزیں اک جذبۂ وصال تمنا کہیں جسے
صابرؔ! اشارہ ریز ہے ہنگامِ گفتگو
وہ دستِ بے حنا یدِ بیضا کہیں جسے

غزل

آفریں لطفِ کلامِ یار پر ہے یقیں اقرار کا انکار پر
دل مرا منت کشِ صہبا نہیں لوٹ ہے اُس نرگسِ بیمار پر
آبلوں میں کس بلا کی آگ تھی شعلہ پیدا ہو گیا ہر خار پر

بسکہ تھا ناکامیِ قاتل کا پاس
رکھ دیا سر ہم نے خود تلوار پر

راکھ کا اِک ڈھیر ہیں ہفت آسماں
آفریں ہے آہِ آتش بار پر

اُف! ہجومِ دیدۂ دیدار جُو،
جم گھٹا ہے روزنِ دیوار پر

چھوڑ ان نسخوں کو اے ناداں طبیب!
چل چکے یہ عشق کے بیمار پر

یہ سرور افزا نمکپاشی! کہ ہے
کیف طاری زخم دامن دار پر

کون آیا ہے عیادت کے لئے
اک مسرت چھا گئی بیمار پر

ابر بھی ہے کس قدر برخود غلط
خندہ زن ہے گریۂ بسیار پر

آہ! اب شادابیِ نخلِ امید
منحصر ہے چشمِ دریا بار پر

پیروی دل کی نہ صابرؔ کیجئے
کیا بھروسہ اس خدائی خوار پر

غزل

نہیں ہُوئے یہ فراہم خس آشیاں کے لئے
صلائے عام ہے برقِ شرر فشاں کے لئے

شگفتہ ہیں یہ مرے داغِ دل کہ رضواں نے
سمجھ کے پھُول چُنے گلشنِ جناں کے لئے

کہاں ہے ضعف سے اتنی بھی مجھ میں اب طاقت
کہ انتظار کروں مرگِ ناگہاں کے لئے

یہ خوف رہتا ہے ٹھکرا نہ دے کہیں ظالم
جو دل کو وقف کروں سنگِ آستاں کے لئے

مناسبت ہو مرے سوزِ دل سے کچھ پیدا
شعاعِ برق کے تنکے ہوں آشیاں کے لئے

نظر میں آ نہیں سکتا ہوں اس قدر لاغر
کہاں سے لاؤں ہو چشمِ خونفشاں کے لئے

تمام فیصلہ صابر ہے سخت جانی پر
بُلایا آج ہے قاتل نے امتحاں کے لئے

غزل

اُف! شبِ وصل مرا بے سر و ساماں ہونا
خندۂ یار سے ظاہر ہے پشیماں ہونا

سازِ دل ٹوٹا تو ہر تار سے نکلی یہ صدا
موت ہے عقدۂ دشوار کا آساں ہونا

کچھ مرے دل ہی سے پوچھو اثرِ حسنِ ملیح
صورتِ داغ سے پیدا ہے نمکداں ہونا

زلف کی قید میں آتا ہے خدا یاد مجھے
ہاں! مرے کفر میں مضمر ہے مسلماں ہونا

تیرہ بختی کا ہُوں گرویدہ، اسے کہتے ہیں

بیعتِ سلسلۂ کاکل پیچاں ہونا

کیوں محبت ہے مجھے آئینہ سیماؤں سے

کیا ازل سے تھا مرے بختِ میں حیراں ہونا

بسکہ سینے پہ لگے تیرِ محبّت صابرؔ

پالیا دل نے مرے شیرِ نیستاں ہونا

غزل

آرہے ہیں وُہ پریشاں حال سے دلگیر سے کام یہ نکلا ہے شائد آہ کی تاثیر سے

مُسکرا دیتے ہیں وُہ مُجھ ناتواں کو دیکھکر
باندھتے ہیں گویا پھُولوں کی سُبک زنجیر سے

دِل سے نکلی آہ جب ترچھی نظر اُن کی پڑی
ہے ہوائی تیر کی ٹکر ہوائی تیر سے

شعلہ در آغوش ہے سوزِ نہاں سی ہر سرشک
شب چراغاں ہے ہمارے نالۂ شبگیر سے

آہ! یہ ذوقِ خود آرائی بھی ہے کیا سنگدل
دیکھتے ہیں آئینہ وُہ دیدۂ نخچیر سے

رعب سے میں بستہ لب ہوں شرم سے وہ ہیں خموش
ہو گیا ہے سامنا تصویر کا تصویر سے

اُن سے اپنی خانہ ویرانی کا شکوہ کیا کروں
آئے ہیں مُجھ پر بُرے دن شومیِ تقدیر سے

شرحِ دردِ دل سے صابرؔ! کیوں ہو وہ بت مہرباں
کیا نکالا چاہتے ہو کام اس تقریر سے

غزل

کیا حسرت آفرین ہے چمن ہست و بود کا
ہر ایک گل میں رنگ ہے داغِ نمود کا

وہ چشمِ خشمناک ہوئی آج سرمگیں
پردہ پڑا ہے آتشِ سوزاں پہ دُود کا

دل کو وصال میں بھی وہی پیچ و تاب ہے
کچھ را دکھل سکا نہ زیاں اور سُود کا

ہر موجِ مے ہے زمزمہ زن سازِ آرزو
ہوتا ہے اتحاد سرور و سرُود کا

دیکھیں گے اب تو دوسری دنیا کی کیفیت
منظر ہے خوب چاکِ لباسِ وجُود کا

صابرؔ سے بے ثباتیِ دنیائے دوں نہ پُوچھ!
درپیش ہے معاملہ یاں رفت و بُود کا

غزل

کیوں تجھکو ذوقِ ہستیِ ناپائیدار ہے
مرنا تو گویا زندگیِ استوار ہے

غافل! ہے رنگِ گلشنِ الفت تو دیدنی
تو اِس چمن میں سبزۂ بیگانہ وار ہے

تاثیرِ شرحِ حالِ دلِ زار دیکھئے
محفل میں مثلِ شمع ہر اک اشکبار ہے

دلچسپ کس قدر ہے سماں کوئے یار کا
اب مَیں ہوں اور عزمِ سفرِ بار بار ہے

گو عارضی ہے نقد تو ہے گلشنِ حیات
واعظ! تری بہشت کا کیا اعتبار ہے

مانا کہ دیدِ حُسن کی طاقت نہیں مجُھے
دل میرا وقفِ حسرتِ صد انتظار ہے

گلہائے داغِ دل ہُوئے پژمردہ یک قلم
صابر! نہ حال پُوچھ، وداعِ بہار ہے

غزل

جنسِ دل بیچتا ہوں دوست خریدار نہیں
کوئی بیکار بضاعت کا طلبگار نہیں

ہاتھ اُس شوخ نے کھینچا ہے ستم سے افسوس!
میں نہ کیوں کہدیا دل درخورِ آزار نہیں

دیدۂ باز ہے ہر حلقۂ زنجیر مرا
منتظر کب یہ ترا تازہ گرفتار نہیں

ہائے! ان پاؤں کے چھالوں کو کہاں لے جاؤں
منزلِ عشق میں وادی کوئی بے خار نہیں

عشق و آوارگیِ فرقتِ لیلیٰ کیا خوب!
ہم کو دیوانگیِ قیس کا اقرار نہیں

قتل کر دے کہ ملے مجھکو حیاتِ جاوید
چشمۂ آبِ بقا ہے تری تلوار نہیں

سر کو کیوں پھوڑ لیا سنگِ حرم سے صابرؔ
ہائے ناداں! یہ کسی شوخ کی دیوار نہیں

غزل

وہ کھنچیں اتنا کہ جتنا چاہئے — اس تقابُل کو تو دیکھا چاہئے

میری وحشت کی نہیں کچھ انتہا — ادراک صحرا میں صحرا چاہئے

ہاں! کہو شرما گئے کیوں؟ کیا کہا؟ — تُم اگر چاہو تو پھر کیا چاہئے

درد اُٹھے دِل میں نہ ہو جس کا علاج — جو نہ ہو پُوری تمنا چاہئے

کِس ستمگر نے سکھایا ہے تمہیں — ملنے والوں سے نہ ملنا چاہئے

تیغ اٹھاتے ہو عبث تم بہرِ قتل — ایک ابرو کا اشارا چاہئے

عشقِ مجنوں چاہئے صابرؔ مجھے

اور اُن کو حُسنِ لیلےٰ چاہئے

غزل

نگاہِ برق ساماں تیری قاتل! پُرفسوں کیا ہے
کہ اک نشتر ہے میری جسم میں ہر موجِ خوں کیا ہے

وہ اپنے آستاں پر دیکھکر سر پھوڑتے مجھکو
یہ کہتے ہیں کہ دیوانے یہ اندازِ جنوں کیا ہے؟

تمہاری کمسنی مانع تھی اب تک اے بُتِ ناداں!
وگرنہ خونبہائے عاشقِ زار و زبوں کیا ہے

یہ سادہ پن بھی تلواریں مرے دل پر چلاتا ہے
حیا سے وہ حسینِ عربدہ جُو سرنگوں کیا ہے

خُدا وہ دن بھی لائے مجھ پشیمانِ تمنا پر
کہ اُس ظالم کی ہر اک بات پر میں بھی کہوں کیا ہے

بُتوں کی سرد مہری بھی دوا کا کام دیتی ہے
مرے ٹوٹے ہوئے دل سے عیاں صبر و سکوں کیا ہے

کہیں کا بھی نہ چھوڑا مجھ پریشاں حال کو صابرؔ!
ہے سو فتنوں کا اک فتنہ یہ چرخِ نیلگوں کیا ہے

غزل

تا چند دل کو رہنِ تمنا کرے کوئی
کب تک نظر کو وقفِ تماشا کرے کوئی

سر پھوڑ پھوڑ کر کوئی ڈالے بنائے عشق
یوں قصرِ حُسن کو تہ و بالا کرے کوئی

دِل ہو چکا ہے خوگرِ آلام و رنج و غم
اب خاک آرزوئے مسیحا کرے کوئی

چھوڑیں نہ ہم تو حشر تک اُس بُت کا آستاں
ہوں ٹھوکریں نصیب تو پھر کیا کرے کوئی

ہر چند بے رُخی ہے تری حوصلہ شکن
دِل رہنِ آرزو ہو تو پھر کیا کرے کوئی

کوئی غریب سوزشِ پنہاں سے ہو گداز
ہر روز آہ! وعدۂ فردا کرے کوئی

صابرؔ ہے شرحِ درد کو ہر موئے تن زباں
اے کاش! ہم سے راہِ سخن وا کرے کوئی

غزل

ممکن نہیں خرابیِ ایوان آرزو
ہے خیلِ آرزو ہی نگہبانِ آرزو

اُف چشمِ پُرعتاب ہے کیسی جنوں نواز
ہے تار تار اپنا گریبانِ آرزو

اُس نے کیا ہے لطف جو بعد از نگاہِ قہر
پھولا پھلا اجڑ کے گلستانِ آرزو

کیا آرزو کرے گا کسی بات کی کوئی
زندانِ یاس میں ہیں اسیرانِ آرزو

غم ایک ہو تو تجھ سے کہوں اے ستم شعار
برسوں رہا ہوں میں تہِ شیمانِ آرزو

اے چرخِ فتنہ گر نہ چھڑا یار کی ہوس
اتنی ہی آرزو ہے فقط جانِ آرزو

عہدِ شبابِ حُسن ہے سرتاقدم طلسم
صابرؔ! مچل ہی جائے گا ایمانِ آرزو

حصّۂ دوم

از

میر ولی وارثی

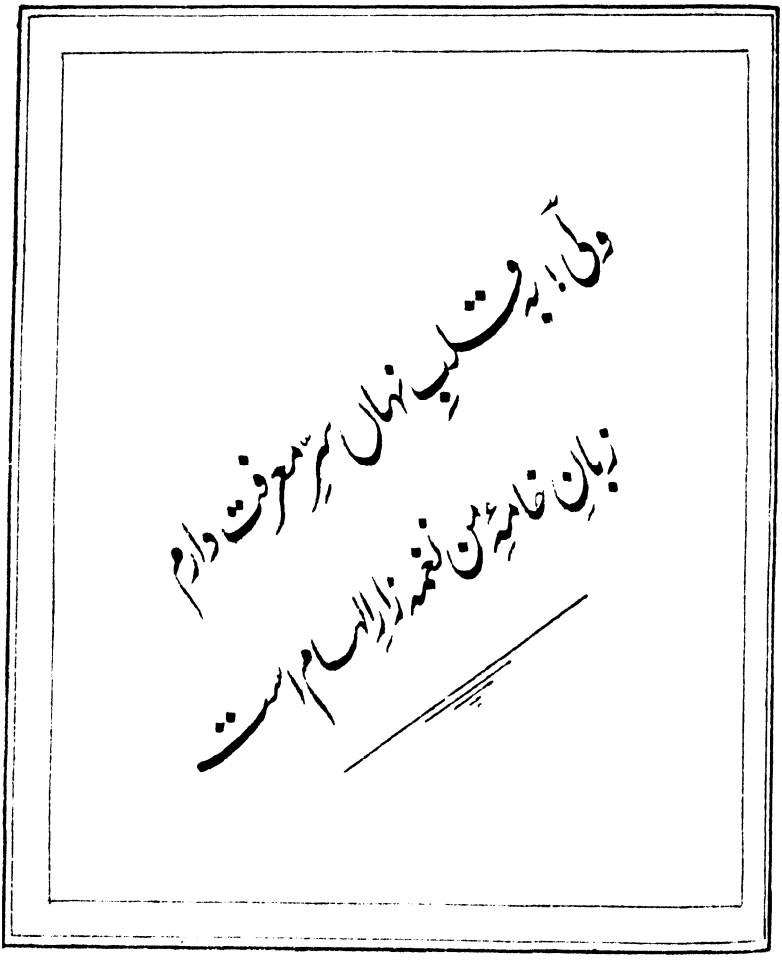
ولی! با دولتِ لب نہاں ہم معرفت دارم
زبانِ خامۂ من نغمہ زا الہام است

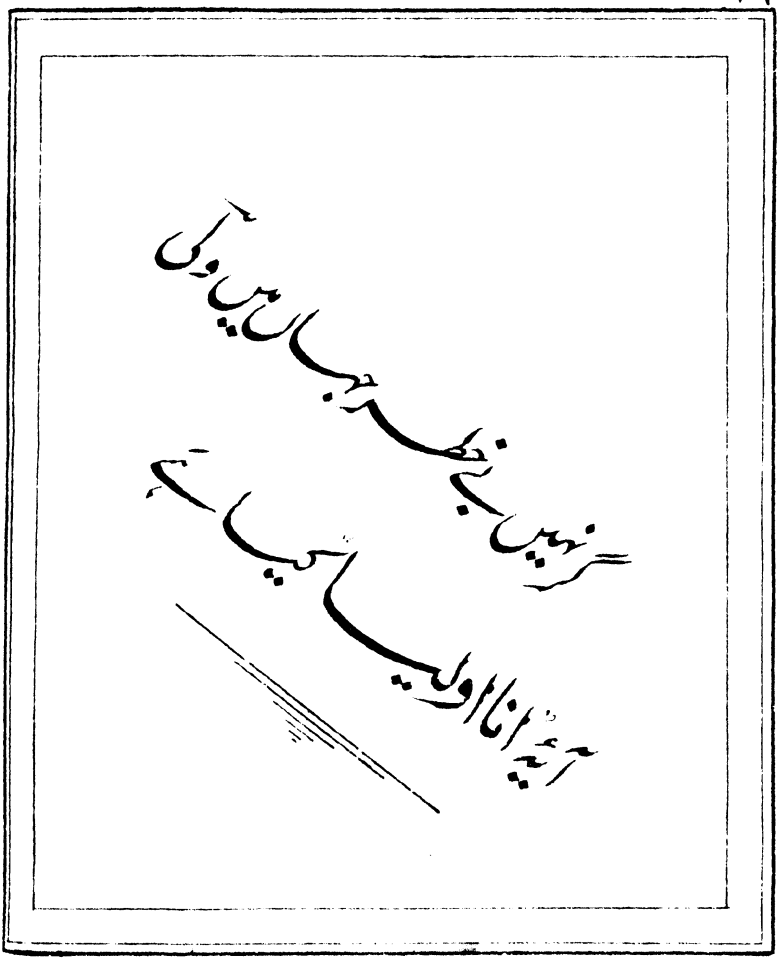

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حصّہ دوم

التجا

(بدرگاہِ مقدس خواجہ معین الدّین چشتی علیہ رحمتہ)

جلائے سوزشِ غم سے جگر غریب نواز
کبھی تو کیجے کرم کی نظر غریب نواز

یہی ہے میری تمنا کہ جان تک دیدوں
تڑپ تڑپ کے ترے نام پر غریب نوازؐ

اُمڈ اُمڈ کے ہُوا مجھ پہ رحمتوں کا نزول
سِسک سِسک کے پُکارا اگر غریب نوازؐ

نہیں ہے کوئی ولی! اس جہانِ فانی میں
ہمارے حال کا پُرساں مگر غریب نوازؐ

وحشتِ تصوّر

(۱)

شعاعِ برق جس دم ابر کا آنچل اُٹھاتی ہے

ہوا ساون کی جب میٹھے سروں میں گنگناتی ہے
مرے آفت رسیدہ دل میں بجلی دوڑ جاتی ہے
خدا جانے تمہیں اس وقت کس کی یاد آتی ہے
مرے دل کو تمہاری یاد رہ رہ کر ستاتی ہے

(۲)

شب مہتاب میں جب سبزۂ کہسار کھلتا ہے
فلک سے فطرتِ ویران کو جب حُسن ملتا ہے
قیامت میری خوابیدہ تمناؤں میں آتی ہے
خدا جانے تمہیں اس وقت کس کی یاد آتی ہے
مرے دل کو تمہاری یاد رہ رہ کر ستاتی ہے

(۳)

مَیں روتا ہُوں، مرے رونے پہ تارے مُسکراتے ہَیں
مَیں چُپ ہوتا ہُوں چُپ ہونے پہ وہ آنکھیں دکھاتے ہَیں
ستمگر دہر کی ہر شئے دُکھی دل کو دُکھاتی ہے
خُدا جانے تمہیں اس وقت کس کی یاد آتی ہے
مرے دل کو تمہاری یاد رہ رہ کر ستاتی ہے

(۴)

ضیائیں لوٹنے لگتی ہَیں جب حُسنِ گلستاں پر
مسرت کا سماں ہوتا ہے جب فصلِ بہاراں پر
گلوں کو عندلیب زار جب دُکھڑے سناتی ہے

خدا جانے تمہیں اس وقت کس کی یاد آتی ہے
مرے دل کو تمہاری یاد رہ رہ کر ستاتی ہے

(۵)

زمانہ جب اندھیری رات میں خاموش ہوتا ہے
جہاں کا ذرّہ ذرّہ جب فنا کی نیند سوتا ہے
محبّت مرے خوابیدہ تخیّل کو جگاتی ہے
خدا جانے تمہیں اس وقت کس کی یاد آتی ہے
مرے دل کو تمہاری یاد رہ رہ کر ستاتی ہے

پیغامِ عمل

وُہ کلا رزمگاہِ چرخِ میں خاور کا میدانی — شعاعوں کی چمک سی ہے عیاں تیغوں کی تابانی
مہ و انجم کے لشکر میں یکایک ابتری پھیلی — مسلّط کشورِ شب پر ہے ویرانی ہی ویرانی
سکوت وخامشی کے خرمنوں پر بجلیاں ٹوٹیں — ہویدا ہوگئی دریائے ہنگامہ میں طغیانی

اُبھر آیا وہ سورج دیکھ! اے ہندوستانی اٹھ!

اُٹھ اے لذت شناسِ غفلتِ خوابِ گرانی اُٹھ!

چمک کر عالمِ تاریک میں پیدا سحر کردے — زمانے کو نفس کی آگ سے نذرِ شرر کردے
درِ سرمایہ داری پر نہ جھکنا سیکھ اے ناداں! — بپھر کر شیر کی صورت اسے زیر و زبر کردے

یہی آئینِ ہستی ہے یہی تحصیلِ آزادی　　حوادث کے مقابل اپنے سینے کو سپر کر دے

اگر اب بھی نہ جاگا حشر تک سوتا رہے گا تُو

غلامی کی مصیبت گاہ میں روتا رہے گا تُو

چاند

اے چاند! تُو ہے جور و ستم کا شکار کیوں　　سوزِ نہاں سے دل ہے ترا شعلہ بار کیوں

ملتا ہے لطفِ جاں تجھے بے خوابیوں میں کیا؟　　تو بن رہا ہے دیدۂ صد انتظار کیوں

کیا اوج و انحطاط تقاضائے زیست ہے؟　　تُو ہے شکارِ گردشِ لیل و نہار کیوں

کس شوخ کے لئے ہیں تری چرخ گردیاں　　دائم ہے اضطراب میں سیماب وار کیوں

کٹتی ہے آسمان نوردی میں تیری عمر — یتا نہیں ہے دم کے لئے بھی قرار کیوں

مضمر ہیں کیا فنا میں بقا کی مسرتیں — تجھ کو عدم کی رہ کے سفر سے ہی پیار کیوں

تیری جبیں ہے سنگِ درِ آفتاب پر — سجدہ گری میں کھوتا ہے اپنا وقار کیوں

شاید ہے رنجِ منتِ خورشید کا اثر — چہرہ ہے زرد سینہ ترا داغدار کیوں

کب تک رہے گا غیر کا منت پذیر تُو

کب تک رہے گا دامِ کرم کا اسیر تُو

نوائے وقت

(علامہ اقبال کے اشعار پر تضمین)

جگوشِ ہوش مسلماں پیامِ ہستی سُن — نہ آستانِ حرم کے سوا کہیں سر ڈھن

تو کارزارِ جہاں میں ہے ذوالفقارِ بکف — بکن عمارتِ الحاد و کفر را از بُن

زباں سے کام نہ لے دے زبانِ تیغ کو آب — یہ ہے عمل کا زمانہ نہیں ہے دورِ سخن

ترے وجود میں آتش کدے ہیں پوشیدہ — بہر نفس کہ برآری جہاں دگرگوں کن

دریں رباطِ کہن صورتِ زمانہ گذرد

تو اک صدی سے ہے فرمانِ غیر کا پابند — ہے تیری قوم غلامی میں خستہ حال و نژند

نظر کو پھیر ذرا سوئے بلبن و ایبک — یہ عذرِ بے زر و مالی و مفلسی تا چند

عبث ہے حجرہ نشینی جو تو ہے بدحال — کہ تیرے ہاتھوں ہی تجھ کو پہنچ رہی ہے گزند

قیودِ مذہب و ملت کا تجھ کو ہے خطرہ! — اگر عنانِ تو جبریل و حور سے گیرند

کرشمہ بر دلِ شاں ریزد و لبرانہ گذرد

عید اور ساقی

خُدا کا شکر ہے ساقی کہ عید آئی ہے
پیامِ عیش و مسرت کے ساتھ لائی ہے

حریف رنگ جمائیں گے شادمانی کے
سُبو لنڈھائیں گے صہبائے ارغوانی کے

تجھے قسم ہے ستم گر حقوقِ الفت کی
تجھے قسم ہے تغافل شعار غفلت کی

اُٹھا اُٹھا ذرا آنکھوں سے پردۂ غفلت کا
دِکھا دِکھا ذرا محفل میں گردشِ مینا

جو سُرخ رنگ کی ہیں تو لیں پڑی ساقی
ہے اُن کی چاٹ دلوں کو لگی ہوئی ساقی

خُدا کے واسطے اب طاق سے اُٹھا اُن کو
مٹے یہ رنج و الم ہاں اِدھر تو لا اُن کو

مَیں تجھ پہ دین و دل و جاں نثار کرتا ہُوں
تری عطا کا بہت انتظار کرتا ہُوں

ابھی ہو گزری محفل میں جام کی گردش　　نہ رنج دے فلکِ کج خرام کی گردش
مجھے بتا بھی کہ اب سوچتا ہے کیا ساقی!　　ذرا نگاہ تو سوئے افق اٹھا ساقی!

ہلالِ عید بر اوجِ فلک ہویدا شد
کلیدِ میکدہ گم گشتہ بود پیدا شد"

غمنامۂ مزدور

(۱)

ہیں مزدور کے سر پہ غم کی گھٹائیں
کرے محنتیں اور پائے سزائیں

نہ اُس کے قصور اور نہ اُس کی خطائیں
سہے مُفت میں خواجگی کی جفائیں
بُرا حال مزدور کا ہو رہا ہے خدا لمبیاں تان کر سو رہا ہے

(۲)

غلامی کے ہاتھوں گرفتار ہے یہ
درِ خواجگی پر نگوں سار ہے یہ
ازل ہی سے بے زرہی دار ہے یہ
غرض زندگانی سے بیزار ہے یہ
بُرا حال مزدور کا ہو رہا ہے خدا لمبیاں تان کر سو رہا ہے

(۳)

یہ شاہی، یہ شاہی کے مکار بندے
یہ بہرِ ترقی مجالس کے دھندے
قوانینِ اصلاح کے یہ پلندے
یہ سارے ہیں سرمایہ داری کے چندے
بُرا حال مزدور کا ہو رہا ہے خدا لمبیاں تان کر سو رہا ہے

(۴)

سوا اس کے ہمت دکھاتا ہے کوئی؟
لڑائی میں گردن کٹاتا ہے کوئی؟
حکومت کی طاقت بڑھاتا ہے کوئی؟
بغاوت کے الزام پاتا ہے کوئی؟

بُرا حال مزدور کا ہو رہا ہے خُدا المبیاں تان کر سو رہا ہے

(۵)

یہ محنت میں دن بھر پسینے بہائے

نہ نانِ جویں تک بھی ہاتھ اس کے آئے

پیاس اور فاقے کی کُلفت اُٹھائے

مگر خواجہ پھل اُس کی محنت کا کھائے

بُرا حال مزدور کا ہو رہا ہے خُدا المبیاں تان کر سو رہا ہے

(۶)

یہ گرمی، یہ گرمی کی شدّت کا عالم

ہے اُس پہ بھی مزدور کا عزمِ محکم

دکھاتا ہے دورانِ محنت میں دم خم
کہ گرتا ہے بے ہوش ہو ہو کے پیہم
بُرا حال مزدور کا ہو رہا ہے خدا لمبیاں تان کر سو رہا ہے

(۷)

یہ گیانی، یہ راہب، یہ ملا، یہ لالے
مذاہب کے پردے میں ہیں سانپ کالے
خدا کی خدائی کو ڈس جانے والے
کوئی ہے؟ جو ان کو وطن سے نکالے
بُرا حال مزدور کا ہو رہا ہے خدا لمبیاں تان کر سو رہا ہے

(۸)

ہے مزدور دُنیا کی کھیتی کا مالی
رہینِ مشقت بہ کاہیدہ حالی
رہے دستِ زرآفریں زر سے خالی!
قیامت ہے عالم پہ چھا جانے والی
بُرا حال مزدور کا ہو رہا ہے خدا المیاں تان کر سو رہا ہے

عرضِ تمنا

اُڑیں جس سے فضا میں دھجیاں دامانِ باطل کی
مسلمانوں کو یارب! پھر وُہی وحشت عطا کر دے

جلا کر راکھ کر ڈالا اسے برقِ تشتت نے
ہماری آرزوؤں کے چمن کو پھر ہرا کر دے
پلا دے ساقیا پھر بادۂ پرجوشِ ایماں کی
سکوت انگیز دل کو پھر قیامت آشنا کر دے
بنا دے رازِ فطرت پھر محمدؐ کے غلاموں کو
پھر ان گم گشتہ راہوں کو جہاں کے رہنما کر دے
وہی نورِ درخشاں پھر جبینوں کو ودیعت کر
دلوں کو پھر وہی ذوقِ عبودیت عطا کر دے
اسیرانِ غلامی کو پلا دے جامِ آزادی
مئے نابِ حجازی میں انہیں پھر کچھ ملا کر دے

شوہر کا انتظار

آہ! میرا نگار آجائے — میرے دل کا قرار آجائے

دردِ فرقت میں ہوں بہت لاچار — نوجوانی نے کر دیا بیمار

غم دکھاتا ہے انتظار مجھے — خوں رُلاتا ہے انتظار مجھے

جاں کنی سی ہے یہ فراق نہیں — اب وُہ پہلا سا طمطراق نہیں

غمِ پیہم سے داغ داغ ہُوں مَیں — ٹمٹماتا ہُوا چراغ ہُوں مَیں

رنج بھی ہُوں مَیں رنج دیدہ بھی — ہُوں ستم بھی ستم رسیدہ بھی

وہ نہ آئیں تو نیند ہی آئے
کچھ تو تسکین دل کی ہو جائے

اُن کو کیوں دیر ہوتی جاتی ہے
میری تقدیر سوتی جاتی ہے

ان ستاروں کے مُسکرانے سے
زخم دل کھِلتے ہیں بہانے سے

ساتھ والی جو گنگناتی ہے
آرزوؤں کو نیند آتی ہے

کون ہے جو انہیں بُلا لائے
روٹھے محبوب کو منا لائے

اے قمر! تو ہی سُن مراد کھڑا
ہے کہاں پر وہ چاند سا بُت کھڑا

کالی کالی ڈراؤنی راتو!
کیوں ڈراتی ہو میری قسمت کو

مَیں سیہ بخت و تیرہ طالع ہُوں
یاس و اندوہ میں ہوں نا روزوں

آنسوؤں نے کیا نڈھال مجھے
زندگانی بھی ہے وبال مجھے

رات کے اے ضیا فشاں تارو! اُن سے چشمک زنی میں یہ کہدو
دردِ فرقت میں کوئی مرتی ہے تم کو ہر وقت یاد کرتی ہے
بھیگی بھیگی بہار کی راتیں! کبک و مہتاب کی ملاقاتیں!
آنکھوں آنکھوں میں کٹتی جاتی ہیں خوں کے آنسو مجھے لاتی ہیں!
میں اکیلی ہوں کیوں نہ گھبراؤں کیوں نہ غم کھاؤں کیوں نہ چلاؤں
آہ! دل میں کسک سی اٹھتی ہے سوزِ غم کی بھڑک سی اٹھتی ہے

ان دنوں بھی جو تم نہ آؤ گے
پھر مجھے جیتے جی نہ پاؤ گے

پریت کا گیت

(۱)

دنیا ہے اک لوبھ کا مندر　　لوبھی بُت مندر کے اندر

پُوجا کی کلیاں، مایا دھن،　　پروہت پُجاری پریم کے دشمن

من کے گندے تن کے سُندر

آہ دوں سے لوبھ مٹا دے　　بنسی کی دُھن شیام سُنا دے

ہردے میں اک آگ لگا دے

(۲)

دُنیا والے دھن کے بندے　　دھن کے بندے من کے گندے

سنگھی ساتھی ووبھی سارے جیتے ہیں مایا کے مارے
جھوٹے دُنیا کے سب دھندے
آمن موہن روپ دکھادے بنسی کی دھن شیام سُنادے
ہردے میں اک آگ لگا دے

(۳)

جیون ناؤ کھائے جھکولے پاپ بھنور لہروں کو تولے
کوئی نہیں سنگی جو بچادے کوئی نہیں جو ہات بٹادے
کھیون ہاروں کا من ڈولے
بھگون اتوہی پار لگا دے بنسی کی دُھن شیام سنادے
ہردے میں اک آگ لگا دے

حقیقت و مجاز

(۱)

غافل! ہے اپنی ہستی کا تجھ کو قیاس بھی
اہلِ مجاز ہے تو حقیقت شناس بھی
حدِ جنوں پہ سرحدِ ادراک ہے تری

(۲)

وُہ راہ لے جو مشکلِ منزل کو سہل ہو
وُہ کام کر جو تیری حمیت کے اہل ہو
اُردی سرشت تاکہ رہے بُودنے تری

(۳)

نغمہ ترا ہو حاصلِ تفسیرِ زندگی
تدبیرِ زندگی بنے تقدیرِ زندگی
ہو زیر و بم کی قید سے آزاد لے تری

(۴)

خلقِ خدا ہے تری خدمت کی عذر خواہ
یکساں تری نظر میں رہیں لالہ و گیاہ
ہوش و سرور کی نہ ہو محتاج لے تری

(۵)

کعبہ میں رہ کے کر ادا بتخانے کی نماز

مٹ جائے تاکہ مومن و کافر کا امتیاز

دیر و حرم میں بولا کریں لوگ جے تری

حسین ساقی

ناگاہ اک بادل اٹھا وہ دُور بالائے سما

کیا آرہا ہے جھومتا مستانہ بردوشِ ہوا

کالی گھٹائیں چھاگئیں ٹھنڈی ہوائیں آگئیں

ہر سُو بڑھیں تاریکیاں، طاری ہوئیں خاموشیاں

پھولوں نے کیں گلکاریاں　　کلیوں نے پر توباریاں

گلبن وھلے برسات سے

گلشن کھلے برسات سے

ویرانہ جل تھل ہوگیا　　جنگل میں منگل ہوگیا

موسم شراب آمیز ہے　　کتنا سرور انگیز ہے

کوہ و دمن پُرآب ہیں،　　شہر اور بن سیراب ہیں

دشت و چمن شاداب ہیں　　داعیش کے سب باب ہیں

اک نازنین نازک بدن　　ناز آفریں غنچہ دہن

ساقی گری ہے کر رہی　　ساغر پہ ساغر بھر رہی

گاہے اُدھر جاتی ہے وُہ　　گاہے اِدھر آتی ہے وُہ

چپکے سے کچھ گاتی بھی ہے　　کمسن ہے شرماتی بھی ہے

آنکھوں سی مستی ہے عیاں　　تسخیر ہستی ہے عیاں

کتنی سراپا نور ہے　　فردوس کی اک حور ہے

زاہد بھی گر دو چار ہو　　ایمان سے بیزار ہو

ظالم کی صورت دیکھئے

چینی کی مورت دیکھئے

اُف! اُس نے یہ کیا کر دیا　　ہر ایک ساغر بھر دیا

گردش میں پیمانے کئے　　جتنے تھے دیوانے کئے

لو رنگ بدلا بزم کا　　لو ڈھنگ بدلا بزم کا

مدہوش میکش ہو گئے　　بے ہوش میکش ہو گئے

ہر ایک مستانہ ہوا سرشارِ پیمانہ ہوا

ہشیار، دیوانہ ہوا ہستی سے بیگانہ ہوا

رنج والم سب مٹ گئے

دُنیا کے غم سب مٹ گئے

دُعا

اے خدا! پھر کفر، رہن صولتِ اسلام ہو

لات کی مانند ہبُت لرزہ بر اندام ہو

پھر غلامانِ محمد زینتِ اورنگ ہوں
پھر ذلیل و خوار و رسوا، پیروِ اصنام ہو
شوق سے باطل بچھائے جابجا دامِ فریب
غیر ممکن ہے کہ کوئی مرغِ کعبہ رام ہو

بُلبُل بہ گُل

ہے تجھی سے رونق و آرائشِ باغِ جہاں — ہے تری مرہونِ منت، نوبہارِ گلستاں
ہیں تری رنگت سے ظاہر سینکڑوں رنگینیاں — ہیں ترے جلووں کی رنگا رنگ کے جلوے عیاں
تو نہیں تو رونقِ باغِ جہاں کچھ بھی نہیں، — فرقِ دشت و گلستاں کو رمیاں کچھ بھی نہیں

آہ! تُو سازِ تمنا کے لئے مضراب ہے — حُسن کے بازار میں اِک تحفۂ نایاب ہے

مضطرب رکھتی ہے مجھ کو رات دن تیری ادا — تیری فرقت میں سدا رہتا ہوں آتش زیرپا

اے کہ تیرا عشق ہے روحِ روانِ زندگی — تیرے جلووں سے ہے قائم گلستانِ زندگی

میں ازل سے کہہ رہا ہوں داستانِ زندگی — درد سے لبریز ہے میرا بیانِ زندگی

سخت حیرت ہے کہ تُو ابتک مگر خاموش ہے

واقعی خاموش ہے تو یا سراپا گوش ہے

انقلابِ ہند

ہند کے گلشن میں پھر آئی بہارِ انقلاب

پھولنے پھلنے کو ہے پھر لالہ زارِ انقلاب

ہونے والی ہے غلامی اور آزادی میں جنگ

بننے والی ہے زمیں پھر کارزارِ انقلاب

الحذر! اے قصرِ استبدادِ مغرب الحذر!

دُودِ آہ دل سے اٹھا ہے شرارِ انقلاب

آگے آگے دوڑتا ہے ٹوڈیوں کا کارواں

پیچھے پیچھے اُن کے اُڑتا ہے غبارِ انقلاب

دل بکف عشاقِ حریت رہیں تیار سب

بن سنور کر آ رہا ہے گلعذارِ انقلاب

سر ہتھیلی پر لئے تیار ہیں احرارِ ہند

بس ہے اب درکار حکمِ تاجدارِ انقلاب

لالہ رُخ کی یاد

(سرینگر کشمیر میں دریائے جہلم کے کنارے پر)

(۱)

وہ دریا پر برائے سیرِ دریا روز آتی تھی
حسیں منظر فضاؤں کو حسیں جلوے دکھاتی تھی
وہ تھی شہکار قدرت، زینتِ قدرت بڑھاتی تھی
یہی جہلم ہے جس میں لالہ رُخ کشتی چلاتی تھی

(۲)

وہ آتی تھی تو لہروں کو سرور و وجد آتا تھا
شراب دیدپی کر قطرہ قطرہ جھوم جاتا تھا
نوائے کیفیت مرغانِ آبی کو سناتی تھی
یہی جہلم ہے جس میں لالہ رُخ کشتی چلاتی تھی

(۳)

عجب اس کے پریشاں گیسوؤں کا عکس پڑتا تھا
کہ پانی میں کسی افعی سے کوئی سانپ لڑتا تھا
وہ سحر آگیں اداؤں سے نئے فتنے جگاتی تھی
یہی جہلم ہے جس میں لالہ رُخ کشتی چلاتی تھی

(۴)

غمِ دیدار میں دریا غرقِ اشکباری ہے
دلِ ہر موج وقفِ اضطراب و بیقراری ہے
وہ جل دیوی تھی جل کے درمیاں محفل جماتی تھی
یہی جہلم ہے جس میں لالہ رُخ کشتی چلاتی تھی

(۵)

حباب آنکھیں اٹھا کر ڈھونڈتے ہیں اس کا نظارہ
تھپیڑے موجِ غم کے کھا کے ہو جاتے ہیں صد پارہ
وہ موجِ مضطرب کو مضطرب جلوے دکھاتی تھی
یہی جہلم ہے جس میں لالہ رُخ کشتی چلاتی تھی

(۶)

اُسے قدرت کے گوناگوں مناظر یاد کرتے ہیں
خموشی کی زباں سے نالہ و فریاد کرتے ہیں
وہ اس وادی کی معشوقہ تھی معشوقانہ آتی تھی
یہی جہلم ہے جس میں لالہ رخ کشتی چلاتی تھی

نانک

جلوۂ خورشید سے معدوم ہو جاتی ہے شب — ہر کرن ہے کشتِ تاریکی کو اک برقِ غضب
کالی کالی بدلیوں کے بعد کھل جاتا ہے ابر — یعنی اپنے کثرتِ گریہ سے دھل جاتا ہے ابر
بادِ صرصر کے ستم سے زرد ہو جاتے ہیں پھول — فضلِ گل میں از سرِ نو رنگ لاتے ہیں پھول

بس اسی صورت پے تاراجِ کفر و ارتداد — حق نے بھیجا ہند میں **نانک** سلم دنیک زاد

اُس نے گائے اس نوا سے حدتِ یزداں گیت — بس گئی ہر ایک دل میں ایک خالق کی پریت

ہند میں مرغِ سیہ کاری کو غنقا کر دیا — اپنے پرتو بار چہرے سے اُجالا کر دیا

دے دیا گم گشتہ راہوں کو سبق توحید کا — بخشا دلہائے سیہ کو مرتبہ خورشید کا

بھر دئے سینے گنہگاروں کے حق کے نور سے
کر دئے روشن سیہ خانے چراغِ طُور سے

بہارِ انقلاب

ختم ہو گا اب بُتِ افرنگ کا عہدِ شباب — ہند کی شہزادیوں نے پھونک ڈالے ہیں نقاب

انقلاب

انقلاب اے انقلاب

آج وہ شیرانِ حق پا بستۂ زنجیر ہیں جن کی حریت سے تھا باطل کا زہرہ آب آب

انقلاب

انقلاب اے انقلاب

مسجدوں میں برہمن بیٹھے ہیں بتخانوں میں شیخ شورِ ناقوس و اذاں میں ہو گیا ہے انتساب

انقلاب

انقلاب اے انقلاب

آج اُن کی داستاں ہے دادخواہی کی فقیر جن کے درباروں میں فریادیں کبھی تھیں بار یاب

انقلاب

انقلاب اے انقلاب

رمزِ استبداد و مشروطہ کو غافل جان لے　　یہ جداگانہ نیابت ہے وہ مخلوط انتخاب

انقلاب

انقلاب اے انقلاب

دے رہی ہے دمبدم بانگِ درا پیغام کوچ　　کارواں کیا، کارواں سالار بھی ہیں محوِ خواب

انقلاب

انقلاب اے انقلاب

سینۂ مشرق میں مخفی ہیں ابھی نغمے بہت　　اک دفعہ تو چھیڑ کر دیکھے کوئی تارِ رباب

انقلاب

انقلاب اے انقلاب

افکارِ پریشاں

مَیں مشکلِ ہستی میں وہ سہل معما ہُوں
اپنے سے ہوں بیگانہ دنیا سے شناسا ہُوں

گلزارِ زمانہ ہے شاداب مرے دم سے
مَیں لطف کی بارش ہُوں، میں فیض کا دریا ہُوں

ظاہر میں مرا پیکر اک خاک کی مٹھی ہے
باطن میں اگر دیکھو سمٹا ہوا صحرا ہُوں

لیلائے قیامت کی زلفیں ہیں مری موجیں
اس وادیٔ سنگیں میں طوفان زدہ دریا ہُوں

صورت مری دیگر ہے فطرت مری دیگر ہے
خاموشیٔ ساحل ہُوں ہنگامۂ دریا ہُوں

بازارِ زمانہ کی تشکیل مجھی سے ہے
کیا طرفہ تماشا ہے محرومِ تماشا ہُوں

ہستی کی کشاکش نے یہ حال کیا میرا
مجبورِ تقاضا ہُوں، محرومِ تمنا ہُوں

منزل کی تمنا نے پامال کیا مجھکو
پسماندۂ ہستی ہوں گردِ رہ صحرا ہوں

مزدور اور سرمایہ دار

کھیتیوں میں شدّتِ گرمی سے مرجانے کو ہم — لطف سے خوانِ نعم پر بیٹھکر کھانے کو تم
آہ! تم کو کونسلوں کی مسندیں دلوائیں ہم — اور حکومت سے ہماری کھال کھچوانے کو تم
ہم تمہارے عیش گہہ تعمیر کرنے کے لئے — جھونپڑا تک بھی ہمارا بیچ کر کھانے کو تم
ہم تمہارے کارخانہ جات کی وجہِ قیام — پاؤ بھر آٹے کی گر سنگی سی مروانے کو تم
ہم تمہارے مال و دولت کی حفاظت کیلئے — بیٹھے بیٹھے دولتیں جاگیر کی پانے کو تم

کیا یہی انصاف ہے آئینِ دنیا ہے یہی
کیا اسی کو زندگی کہتے ہیں جینا ہے یہی

بارگاہِ رسولؐ میں

اے محمدؐ! اے علمبردارِ اصلاحِ جہاں!
اے محمدؐ! اے بہارِ گلشنِ کون و مکاں!
اے عدوئے باطل! اے حق آشکار کائنات!
اے پرستارِ خدا! اے دشمنِ لات و منات!

دردِ ملت سے لبالب تھا ترا جامِ حیات
تُو تھا گویا رائت افزائے فلاحِ کائنات
پیکرِ انسانیت میں تُو خُدا کا نُور تھا
خاکدانِ زندگانی میں ضیا معمُور تھا
تیری موجِ زیست ساحل سے لپٹ کر رہ گئی
اک شعاعِ طور پھیلی تھی سمٹ کر رہ گئی
آج تُو بطحا کے اک گوشے میں ہے خوابِ آفریں
تیری اُمّت کو زمانہ پوچھتا تک بھی نہیں
درد سے مجبُور ہُوں با چشمِ نم آیا ہُوں مَیں
آنسوؤں کے چند موتی نذر کو لایا ہُوں مَیں

دردِ ملّت دل میں ہے لب پر فغانِ قوم ہے
میری فریادوں میں مضمر داستانِ قوم ہے

آیا ہوں غمنامۂ مسلم سنانے کے لئے
رو رہا ہوں میں زمانے کو رُلانے کے لئے

رفعتِ اسلام اب پستی کی اک تصویر ہے
خوابِ ضوگیں تھا مکدّر خواب کی تعبیر ہے

سائل گوشش توجہ ہے ہماری داستاں
کچھ دگرگوں ہوگئی ہے حالتِ اسلامیاں

محفلِ آفاق کا اب اور ہی انداز ہے
از سرِ نو انقیادِ کفر کا آغاز ہے

مٹ گیا ہے نقشِ ایماں خاطرِ انسان سے
کم نہیں ہے کارناموں میں کوئی شیطان سے

حشر زا ہے شورِ باطل گنبدِ افلاک میں
چھپ گیا ہے نغمۂ ایماں ردائے خاک میں

مسجدیں ویران ہیں اور مے کدے آباد ہیں
ربِ کعبہ کے پجاری پیروِ الحاد ہیں

مضمحل سا ہو گیا ہے اب مسلماں کا دماغ
بزمِ ہستی میں بجھا ہی چاہتا ہے یہ چراغ

منحرف ہے مسلم اسرارِ کلامِ پاک سے
دُور جا پہنچا ہے ناداں سرحدِ ادراک سے

ظلم میں کوئی ہلاکو ہے کوئی چنگیز ہے
گردنِ محنت پہ سرمایہ کا خنجر تیز ہے

چہرۂ مزدور پر ہے مُردنی چھائی ہوئی
جیسے ہو کوئی کلی صرصر سے مُرجھائی ہوئی

اب تری اُمت زمانے میں برائے نام ہے
اب نہ وہ اگلے مسلماں ہیں نہ وہ اسلام ہے

پھر ضرورت ہے پئے تاراجِ کفر و ارتداد
تیغ بالل کش اٹھالے کوئی مردِ حق نہاد

پھر صلاح الدینؒ کردے اک قیامت سی بپا
پھر کلیسا سے اُٹھے اللہ اکبر کی صدا

غزنویؒ کے پاؤں چومیں پھر بتانِ سومنات
نعرۂ غوریؒ سے پھر ہو نغمۂ الحادیات
نیام میں شمشیر عالمگیرؒ پھر بیباک ہو
پھر بنارس کے بتستاں میں غبارِ خاک ہو
پھر عمرؓ سکھلائے انساں کو سیاست کا سبق
صولتِ خالدؓ سے پھر ہوں کافروں کے رنگ فق
توڑ دے خیبر کا در پھر علیؓ کی ذوالفقار
گلشنِ ملت میں آئے پھر شجاعت کی بہار
پھر بلالیؓ لب سے عریاں نغمۂ توحید ہو
روح پرورِ زیست ساماں نغمۂ توحید ہو

رنگ و بُو کو چھوڑ کر پھر اہلِ ایماں ایک ہوں
رائتِ توحید کے نیچے مسلماں ایک ہوں
ضَوفشانِ جاوداں ہو آفتاب اسلام کا
دہر میں ہر سُو بجے ڈنکا خُدا کے نام کا

نغمۂ حرّیت

ہم کمربستہ ہیں رنج و غم اُٹھانے کے لئے — رختِ راحت دشتِ غربت میں لٹانے کیلئے
سیلِ مغرب نے اچھل کر غرق کر ڈالا اسے — تھی جو کشتی بحرِ غم سے پار جانے کے لئے
عشق والو! اس طرح خودداریاں پیدا کرو — حُسن خود مجبور ہو جائے منانے کے لئے

نغمہ زن ہونا ہے اس گلشن میں جب بلبل کوئی
آہ! چُن لیتے ہیں اس کو قید خانے کیلئے

تلخابۂ گناہ

ابر کے ایام تھے ساون کی کالی رات تھی — روحِ انساں کے لئے آبِ بقا برسات تھی
ڈگمگاتا تھا فلک پر ابر پاروں کا ہجوم — لغزشیں کھاتا تھا گویا میگساروں کا ہجوم
کالے کالے بادلوں سے گر رہی تھیں بوندیاں — بندھ رہا تھا ظلمتوں میں آبِ حیواں کا سماں
نقشِ مانی کے لئے آئینہ تھا رنگِ چمن
برشگال آراستہ کرتی تھی ارژنگِ چمن

بادکا ہر ایک جھونکا استراحت خیز تھا — راہوار بادہ نوشی کے لئے مہمیز تھا

مَیں تھا اس وقت اپنی بیوی کے حریمِ ناز میں — اتصالِ انبساط افزا تھا سوز و ساز میں

وقت و دل نے مجھ میں اک عالم نیا پیدا کیا — دے کے بیوی کو فریبِ عشرتکدے کو چل دیا

واں پہنچکر مَیں نے دیکھا بزم کا رنگِ شباب — جوشِ ساغر سے شبستاں تھی چراغاں کا جواب

ایک گوشے میں مرے احباب بھی تھے مے نواز — لوریاں دیتی تھی واں بھی روح کو آوازِ ساز

ایک رقاصہ حسین و گلرخ و نازک بدن
میکشوں کی بزم میں دکھلا رہی تھی اپنے فن

اُف! وہ موسیقی، وہ بیباکی سے اُس کا ناچنا — گویا گُل کی پتیوں سے تیتری کا کھیلنا

اُس ستمگر کی زباں کا وقتِ نغمہ ارتعاش — سننے والوں کے دلوں کو کر رہا تھا پاش پاش

فرطِ صہبا سے ہر اک بیہوش تھا خاموش تھا

بزم میں مَیں ایک نو وارد ذرا باہوش تھا

مجھکو بھی جذباتِ شیطانی نے اندھا کردیا　　جامِ دل کو بادۂ حیوانیت سے بھر دیا
گانے والی کے گلے میں مَیں نے بانہیں ڈالدیں　　اُس کی مستانہ نگاہوں میں نگاہیں ڈالدیں
اپنی جانب فرطِ الفت سے ذرا کھینچا اُسے　　انتہائے جذبۂ بیتاب سے چُوما اُسے

دیکھتا کیا ہُوں کہ وہ بیباک آنکھیں جھک گئیں
شوخ آنکھیں جھک گئیں جالاک آنکھیں جھک گئیں

لب مرے کانوں پہ رکھ کر اس طرح کہنے لگی　　"اے غلامِ نفسِ امّارہ ہے کیوں حیرانگی
میرے اندازِ حیا پر کیوں تعجب ہے تجھے　　کیا سمجھتا ہے کوئی بازار کی عورت مجھے
گو ہُوں نقاصہ مگر اشراف کی بیٹی ہُوں مَیں　　ہائے لیکن کیا کروں تقدیر کی ہیٹی ہُوں مَیں
وہ دغا نا آشنا جس نے بیاہا تھا مجھے　　شوقِ بیحد سے جو اپنے گھر میں لایا تھا مجھے

ظاہراً وہ سادہ لوح و التفات آمادہ تھا — درحقیقت عیش و عشرت کا بہت دلدادہ تھا

رنڈیوں کی محفلوں میں رات بھر رہتا تھا وہ — ساقیوں سے جامِ جم کی داستاں کہتا تھا وہ

چھوڑ جاتا تھا مجھے اکثر وہ تنہائی کو

تیرہ کرداروں کو ہوتا ہے اُجالا رات کو

انتظار اُس کا کئی عالم دکھاتا تھا مجھے — صورتیں تبدیل کرکے آزماتا تھا مجھے

ہر گھڑی احساسِ باطل نے کیا مضطر مجھے — تھی ہر اک آہٹ نویدِ آمدِ شوہر مجھے

رات بھر چوکھٹ پہ بیٹھی منتظر رہتی تھی میں — آنسوؤں سے اپنے غم کی داستاں کہتی تھی میں

میں بھی عورت تھی محبت کے لئے مجبور تھی — میری دنیا بھی بجلی شوق سے معمور تھی

انتقامی جذبہ آخر کھینچ کر لایا یہاں

ہیں مرے خاوند کے سر پر مری بدکاریاں"

طلوعِ سحر

سحر کے نور سے شانِ فلک دوبالا ہے
بجائے تیرگی ہونے لگا اُجالا ہے

اُڑی سیاہی افق پر شفق کی لالی ہے
کہ رُخ سے زُلف کسی شوخ نے ہٹالی ہے

کہیں پہ سُرخ، کہیں زرد زرد ہالے ہیں
بہشت والوں نے سدرہ پہ جھولے ڈالے ہیں

یہ انعکاس ہے شاداب لالہ زاروں کا
چمک رہا ہے لہو یا سحر کے تاروں کا

خدا خبر یہ جہنم میں آگ جلتی ہے
شرابِ چشمۂ کوثر سے یا اُبلتی ہے

یہ آسماں پہ کوئی ہو رہی ہے تیاری
کہ آنے والی سواری ہے شاہِ خاور کی

ذرا سی دیر میں سمجھو جلوس آیا ہے
سنو سنو کہ پرندوں نے غُل مچایا ہے

وہ دیکھو گوشۂ مشرق سے آگیا سورج
فرازِ چرخ گھڑی بھر میں چھا گیا سورج

مقدّمے میں شعاعوں کا اک رسالا ہے
کسی کے ہاتھ میں نیزہ کسی کے بھالا ہے

وُہ لکّے ابر کے ہیں یا روئی کے گالے ہیں
کہ شاہدانِ چمن نے کنول اچھالے ہیں

دیا ہے چرخ نے نذرانے میں ستاروں کو
زمیں نے بڑھ کے کیا پیش لالہ زاروں کو

کیا ہے چاک گریبانِ زندگی گُل نے
کہی ہے دردبھری داستان بُلبُل نے

کسان چھوڑ کے بستر بہ رُوئے کار ہُوا
ہر ایک اہلِ جہاں محوِ کاروبار ہُوا

نرگس سے

(۱)

آجاؤ نرگس! آ بھی جاؤ　　نورانی صورت دکھلاؤ

اپنے من موہن جلوؤں سے　　چاند اور سورج کو شرماؤ

بھینی بھینی بوندیں برسیں　　اب تو آؤ اب تو آؤ

برکھا رُت بیتی جاتی ہے　　اُف! نہ اس درجہ ترساؤ

خط سے کیا تسکیں ہوتی ہے　　خط کے بدلے خود آجاؤ

خط کے بدلے خود آجاؤ

آؤ نرگس! آ بھی جاؤ

آؤ نرگس! آ بھی جاؤ

(۲)

غم کے ہاتھوں تیرے کارن ناش ہوا ہے میرا جیون
فرقت نے وہ ناوک مارے چھلنی چھلنی ہے میرا تن
کیا رُواتی جاوے گی تو روتے ہی بیتے گا ساون
دل کیونکر بھولے گا تجھکو تیرا جوبن ہے من موہن
مَیں ہُوں تیرا پریم پُجاری تو بھی بن جا پریم پُجارن

تو بھی بن جا پریم پُجارن

آؤ نرگس! آ بھی جاؤ

آؤ نرگس! آ بھی جاؤ

(۳)

تُو نے بخشی وُہ حیرانی حیرت میں ہے میری جوانی
اُف! تُو نے میری الفت کی قدر نہ قیمت کچھ پہچانی
کیا بتلاؤں دل کی حالت ہے ویرانی ہی ویرانی
آ بس جائیں پریم محل میں مَیں ہوں راجہ تو ہو رانی
دو قصوں کا قصہ چھوڑیں اور بن جائیں ایک کہانی

اور بن جائیں ایک کہانی
آؤ نرگس! آ بھی جاؤ

آؤ نرگس! آ بھی جاؤ

(۴)

آ ہنس کر گلشن بکھرا دے　　پھولوں کی مالا پہنا دے
اپنے نورانی جلووں سے　　میری قسمت کو چمکا دے
دل پر غم کی اوس پڑی ہے　　پریم مدھیرا سے گرما دے
میری افسردہ خلوت کو　　رنگیں صحبت سے مہکا دے
دنیا نے جو کچھ دیکھا تھا　　پھر وہ دُنیا کو دکھلا دے

پھر وہ دُنیا کو دکھلا دے
آؤ نرگس! آ بھی جاؤ
آؤ نرگس! آ بھی جاؤ

(۵)

تیرے جلوے بیتابانہ　　میں ہوں اُلفت میں دیوانہ
دونوں کی یکساں حالت ہے　　تُو افسانہ مَیں افسانہ
افسانوں کے دشمن ہیں سب　　آ دنیا سے ہوں بیگانہ
آ توڑیں بستی کے پھندے　　اس سے بہتر ہے ویرانہ
پریم کی نکھری پھلواری میں　　عمر گذاریں آزادانہ

عمر گذاریں آزادانہ
آؤ نرگس! آ بھی جاؤ
آؤ نرگس! آ بھی جاؤ

برسات

ہے بادلوں کی نوبتوں کا غل فرازِ آسماں

فضا میں مست ہاتھیوں کی فوج ہے رواں دواں

لوائے جنگ جابجا اڑا رہی ہیں بجلیاں

فلک پہ لگے ابر کے گرج گرج کے چھا گئے

کہ سطحِ آبِ نیل پر جہازِ رزم آ گئے

قریب و دور تک دکھائی دے رہے ہیں بادباں

نہ ہاتھیوں کی فوج ہے یہ اور نہ ہیں یہ بادباں

مگر نہا کر آئی ہیں لبِ جل کی دیویاں

کہ جن کی زلف ہائے تر سے گر رہی ہیں بوندیاں

عجب مزا ہے اِن دنوں دیارِ کوہسار میں

یہاں کا ذرہ ذرہ ہے بسا ہوا خمار میں

نشے میں مست سی دکھائی دے رہی ہیں وادیاں

سبک سبک سی بوندیاں ہیں گر رہی سحاب سے

ٹپک رہا ہے قطرہ قطرہ یا خمِ شراب سے

ہر ایک سمت ناچ رہی ہیں فضا میں مستیاں

کبھی فضا میں ابر بوسہ دے رہا ہے عرش کو

کبھی پہاڑیوں پہ سجدہ کر رہا ہے فرش کو

ہیں ایک اس سمندر کے لئے زمین و آسماں

چھٹک رہے ہیں اس طرح حباب جو بُہار میں

شگوفے جیسے کھل رہے ہوں موسمِ بہار میں

اچھل اچھل کے باندھتی ہیں لہریں اک عجب سماں

کھلے ہوئے ہیں ابر کے کرم سے ہر طرف چمن

روش روش پہ گلستاں کی پھر رہے ہیں گلبدن

کسی کسی درخت پر ہیں جھولتی سہیلیاں

وہ بادلوں کی اوٹ میں چمک رہی ہے برق بھی

وہ دیکھنا کسی درخت پر کڑک کے جا پڑی

جلایا اس شرارِ گرم نے کسی کا آشیاں

ندی بھی مینہ کے زور سے چڑھی ہوئی ہے آجکل

چڑھی ہے یوں کہ کاؤں تک بڑھی ہوئی ہے آجکل

گھروں کو خالی چھوڑ کے کسان ہو گئے رواں

مگر ولی وہ کون سی ہے شے جسے ثبات ہے

جو آج صبحِ نور ہے تو کل اندھیری رات ہے

یونہی رہے گا حشر تک زوال و اوج کا سماں

فلسفۂ انبساط

(محترم عبدالمجید صاحب عاصی کی تقریب کتخدائی پر)

اے تازہ واردِ طربِ آبادِ زندگی
اے نو نوازِ نغمۂ آزادِ زندگی
واقف بھی ہے تو فلسفۂ انبساط سے
شادی میں راحتیں بھی ہیں شادی میں رنج بھی
اس دشتِ خارزار میں مخفی ہیں گنج بھی
غم کو ہے اک پرانی محبت نشاط سے
عاصیؔ! ہُوا ہے اب ترا آغازِ زندگی
معلوم ہونگے اب تجھے سب رازِ زندگی
واقف تُو ہوگا اپنی حقیقی بساط سے
ادراک و فہم سے ذرا کچھ لینا کام اب

دنیا میں دیکھتے ہیں تجھے صبح و شام اب

امید حفظ کی ہے کسے اس رباط سے

ہر دم لحاظِ طاعت و عجز و نیاز کر

یعنی فروتنی پہ سدا فخر و ناز کر

ہوتی عیاں ہے ہستی اوج انحطاط سے

شاہد کا ناز ہے کسی فردوس کی بہار

مشہود کا نیاز ہے فردوس در کنار

کھلتا گلِ شہود ہے اس اختلاط سے

تجھ کو یہ کتخدائی مبارک ہو اے **عزیز**

عشرت سے آشنائی مبارک ہو اے **عزیز**

کرتا ہوں یہ دُعا میں دلی انبساط سے

نعرۂ تکبیر

مسلم کے دل میں یارب وُہ پُر اثر دُعا دے

جو کفر کو مٹا دے، توحید کو جِلا دے

پھر زلزلہ فگن ہوں تکبیر کی صدائیں

مغرب کی وادیوں کو اک بار پھر ہلا دے

توحید کا گلستاں برباد ہو چکا ہے

پھر رشکِ باغِ رضواں یارب اسے بنا دے

اس سوز کی تڑپ سے مسلم کے دل کو گرما
جو قلبِ پُرسکوں کو دردآشنا بنا دے
ہے میں مؤذنوں کی وہ لطف ہو ودیعت،
جو برہمن کے دل سے ناقوس کو بھلا دے
سارے جہاں میں گونجیں تکبیر کی صدائیں
ہے التجا ولی کی وہ دن اسے دکھا دے

ایک راگنی

(۱)

ساون برسے اچھا لاگے بھائے نہ ساون دھوپ

ابلا ناری من بھرمائے بوڑھی کا کیا روپ

جوبن کس کا میت ہے پیارے جوبن کس کا میت

کیا ناری کی پریت ہے پیارے

کیا ناری کی پریت

(۲)

ناری سُندر پھول ہے جس کے پات تلے ہر سانپ

ظاہر کا تُو پریم پجاری باطن کی کیا بھانپ

ہار میں تیری جیت ہے پیارے ہار میں تیری جیت

کیا ناری کی پریت ہے پیارے

کیا ناری کی پریت

(۳)

نکھرے رُت میں پھول کلی کو بُلبل راگ سُنائے

پت جھڑ میں پتے پتے سے بے چاری گھبرائے

غم اک میٹھا گیت ہے پیارے　　غم اک میٹھا گیت

کیا ناری کی پریت ہے پیارے

کیا ناری کی پریت

جنت الارض

خطۂ کشمیر میں ہے کیا نظاروں کا ہجوم
گلشنوں کا وادیوں کا کوہساروں کا ہجوم

جگمگٹے ہیں جابجا گلہائے رنگا رنگ کے
پھوٹتا ہے ذرّے ذرّے سے بہاروں کا ہجوم

جابجا کہسار میں ہنستی ہیں رنگیں وادیاں
وادیوں کی گود میں ہے لالہ زاروں کا ہجوم

کھیلتے ہیں موج کی گودی میں شعلے دیکھنا
منعکس ہوتا ہے پانی میں چناروں کا ہجوم

کہکشاں سے بھی حسیں تر ہے شبِ جہلم کا حسن
مشعلوں کی رہبری میں ہے شکاروں کا ہجوم

کیا مچلتی ہیں نوائیں جنبشِ رفتار میں
لڑکھڑاتا آرہا ہے آبشاروں کا ہجوم

مے کشوں کی ہاؤ ہُو سے ہیں فضائیں مرتعش
ڈگمگاتا پھر رہا ہے ابر پاروں کا ہجوم

حُسن کے جلوے لُٹاتی ہیں برہمن زادیاں
جنتِ نظارہ ہے ناہید کاروں کا ہجوم

سبزہ و گل، وادی و کہسار، رود و آبشار
سرحدِ نظارگی تک ہے نظاروں کا ہجوم

الوداع

الوداع اے کوہسار و الوداع! جوئبار و آبشار و الوداع!

اے چنار و بیدزار و الوداع! رودِ جہلم کے کنار و الوداع!

اے پھل پھول بہار و الوداع! کیفیّت آور نظار و الوداع!

چھوڑ کر تنہا تمہیں جاتا ہوں مَیں

فرقتِ پیہم میں گھبراتا ہوں مَیں

تم مری تفریح کے قابل نہیں تم سے بہلے گا یہ میرا دل نہیں

کیا کھلاؤ گے دلِ پژمردہ کو شمعِ کشتۂ درخورِ محفل نہیں

روح کو تسکیں جدائی میں کہاں　　اُن کی دلجوئی یہاں حاصل نہیں

حُسن کی محفل میں پھر جاؤں گائیں

پھر وُہی رنگینیاں پاؤں گائیں

سندھ ندّی

(گاندربل کشمیر میں)

سندھ ندّی آہی ہے زمزمے گاتی ہوئی　　کہکشاں صورت خرامِ ناز دکھلاتی ہوئی

چھُپ گئی تھی لے کر اپنا حُسن ستراب میں　　مہر کی چشمِ حریصانہ سے گھبراتی ہوئی

سانس لینے بھی نہ پائی تھی ابھی کہسار میں　　پستیوں کی سمت لڑکی ٹھوکریں کھاتی ہوئی

سنگ پاروں کو چٹانوں کو تہ پا روندتی موتیوں پر موتیوں کا مینہ برساتی ہُوئی

کس قدر ہے دخترِ کہسار کی مستانہ چال

ناشناسائے غلامی ہے یہ آزادانہ چال

خیر مقدم کے لئے ہنستی ہوئی آئی بہار کیف برسانے لگا رنگِ فضائے بے غبار

شوق سے غنچے نے آغوشِ محبت کھولدی دیدۂ نرگس بنا سر سے قدم تک انتظار

گُل کی پیراہن دری سے ہی عیاں دیوانگی لُطف کا دریوزہ گر ہے لالۂ خونبار

وادیاں آراستہ ہیں جل پری کے واسطے سبز پر ہے سبز مخمل کے بچھونے کا نکھار

کس قدر ہے دخترِ کہسار کی مستانہ چال

ناشناسائے غلامی ہے یہ آزادانہ چال

جا رہی ہے یہ کہستاں و دمن کو چھوڑ کر گھاٹیوں کے حلقۂ بندِ رسن کو چھوڑ کر

دشت و ویرانے میں ہوتا ہے کبھی اس کا گذر — سنگزار و وادی و کشت و چمن کو چھوڑ کر
سبزے سے ہو کر جدا صحرا میں گھبراتی نہیں — کھیلتی ہے ریگ پاروں سے سمن کو چھوڑ کر
اس سکوں دشمن مسافر کا وطن کوئی نہیں — ڈھونڈتی ہے جائے تو جائے کہن کو چھوڑ کر

کس قدر ہے دخترِ کہسار کی مستانہ چال
ناشناسائے غلامی ہے یہ آزادانہ چال

صحبتِ گذشتہ

اک زمانہ تھا تری محفل تھی کاشانہ مرا — دور میں تھا جامِ گردش میں تھا پیمانہ مرا
یادِ ایامے کہ جب میں **غزنوی** تھا تو ایاز — رات دن تھے اتصال آمادہ باہم سوز و ساز

کیا ملا تجھ کو وہ پیمانِ محبت توڑ کر
کیا ہوا حاصل کسی دردآشنا کو چھوڑ کر

چھوڑ کر محفل تری سوئے چمن جاؤں گا میں
قصۂ غم سے گلِ بلبل کو تڑپاؤں گا میں

نرگسِ شہلا سے ہم چشمی کی اب ہے آرزو
اور سوسن سے کروں گا بے تکلف گفتگو

بلبلِ رنگیں نوا نغمہ سنائے گی مجھے
درد و غم کی کیفیت کوئل بتلائے گی مجھے

جامِ عرفاں لالۂ صحرا سے لینا ہے مجھے
مایۂ دل ساقیِ فطرت کو دینا ہے مجھے

سرو ہوگا آشیانِ خس کا میرے پاسباں
رازداں میری بنے گی قمریِ رنگیں بیاں

ہو مبارک دہر کی ہنگامہ آرائی تجھے
باعثِ تسکینِ جاں ہو کنجِ تنہائی مجھے

والدِ مرحوم کی تُربت پر

حجلہ آرائے شفق ہے شاہدِ لیلائے شام
مہر دوشن پی رہا ہے بادۂ مینائے شام
آسماں ہے تیرگی کی دیویوں کی جلوہ گاہ
ہیں پریشانی کی زد میں اُن کے گیسوئے سیاہ
مُردنی چھائی ہوئی ہے ہستیٔ شاداب پر
خواب کا جادو پھنکا ہے دیدۂ بیخواب پر

تیرتی پھرتی ہے دریائے ہوا میں خامشی
آسمانوں میں زمینوں میں فضا میں خامشی
بندھ رہا ہے ظلمتوں کا بزمِ عالم میں سماں
تیرگی ہی تیرگی ہے تا عروجِ آسماں
دل کہ ہے رنج و غم و اندوہ کے زیر اثر
کھینچ لایا ہے مجھے والد کی راحت گاہ پر
تھم ذرا بیتابیِ جذباتِ مضطر تھم ذرا
شومیِ قسمت پہ کرنے دے مجھے ماتم ذرا
اے کہ تو ناآشنا ہے دہر کے آلام سے
اے کہ تو سوتا ہے تربت میں بڑے آرام سے

روز کی تکلیفِ روحانی سے گھبرایا ہُوں مَیں
تجھ سے کچھ تسکین لینے کیلئے آیا ہُوں مَیں
انتہائے غم سے ہے معمور میری داستاں
درسِ عبرت کے لئے بھی درس ہے میرا بیاں
عہدِ طفلی ہی میں مُجھ کو چھوڑ کر آیا تھا تُو
شفقتِ پدری کے رشتے توڑ کر آیا تھا تُو
ہوش آنے ہی سے پہلے مُجھ کو بے ہوشی ہُوئی
غم کے ریگستانِ بے پایاں میں روپوشی ہُوئی
گرچہ میری آنکھ میں اندوہ کے آنسو نہ تھے
پھُول میرے باغ کے محتاج رنگ و بُو نہ تھے

تھا ابھی مجھکو مسرت سے نہ غم سے واسطہ
بربطِ انسانیت کے زیر و بم سے واسطہ
جان سکتا تھا نہ میں تکلیفِ دل کے راز کو
نغمۂ غم سے علاقہ تھا نہ میرے ساز کو
بے شعور و عقل تھا میں، طفلِ سادہ تھا ابھی
غیر پابندِ خرد میرا ارادہ تھا ابھی
واسطہ مجھکو نہ تھا نیرنگیِ دوراں سے کچھ
روحِ شاداں، خاطرِ حیراں، دلِ گریاں سے کچھ
آئینہ میرا کدورت سے سراسر پاک تھا
شعلۂ بیباک کی مانند میں بیباک تھا

بات کرنے سے ابھی محروم تھی میری زباں
گودیوں میں پل رہی تھی میری جانِ ناتواں
کیا خبر تھی عیش و غم کی، میں ابھی معصوم تھا
موت کیا ہے؟ زندگی کیا ہے؟ نہ کچھ معلوم تھا
ہاں! مگر احساسِ نامعلوم تھا کوئی ضرور
تیری ہی فرقت سے مرے جذبات میں تھا کچھ فتور
دل دھڑکتا تھا میرا لیکن نہ کچھ احساس تھا
گویا پہلو میں چھپا اک پارۂ الماس تھا
میں تڑپتا تھا نہ پر تھی اضطراری کی خبر
اشکباری میں نہیں تھی بیقراری کی خبر

خیر! بہلانے کی باتوں سے بہل جانے لگا

اپنی بے احساس فریادوں سے ٹل جانے لگا

رفتہ رفتہ سوزِ بے حس کی تپش جاتی رہی

تیرِ نامعلوم کی دل سے خلش جاتی رہی

مَیں نے پائی بادشاہانہ حرم میں پرورش

راحتوں میں پرورش، ناز و نعم میں پرورش

ناشناسِ غم تھا مَیں، ناواقفِ آلام تھا

گودیوں میں کھیلتے رہنا ہی میرا کام تھا

مجھ پہ تھی ہر وقت مادر کی نگاہِ مرحمت

نوجوانی تک مَیں پہنچا شاہزادوں کی صفت

اُس زمانے میں بہت آرام حاصل تھے مجھے
آشنائی تک نہ تھی آلامِ دنیا سے مجھے
نوجواں ہونا ہی تھا عہدِ شباب آنا ہی تھا!
مجھکو دامِ عیش کے حلقے میں پھنس جانا ہی تھا
مَیں نے کھائیں لغزشیں وہ چند ہی ایام میں
بھر دیئے گرد و غبار آئینہ انجام میں
تھی مری آوارگی شائدِ طبیعت کا اثر
یا جبلّت یا خیالوں کی وراثت کا اثر
باریابی پائی بزمِ ساقیِ گلفام میں
بادۂ عشرت کو چھلکایا ہوس کے جام میں

مَیں نے لُوٹے خوب جامِ ارغوانی کے مزے
عشقبازی کے مزے جوشِ جوانی کے مزے
شوق کو نیرنگیِ جانِ شیطنت پر فوق تھا
والہانہ شوق کیا تھا لاأُبالی شوق تھا
ہو گئی لیکن بہت جلدی حقیقت کی سحر
نوجوانی ہی میں پایا نوجوانی کا ثمر
اب ہے اگلے کارناموں پر پشیمانی مجھے
اب ستاتی ہے بہت تکلیفِ رُوحانی مجھے
عیش پر شرمندگی محسوس ہوتی ہے مجھے
ذلتوں کی زندگی محسوس ہوتی ہے مجھے

میرے آشفتہ خیالوں کو ذرا تسکین دے

میں مریضِ غم ہوں دارو ئے دلِ غمگین دے

میں سراپا گفتگو ہوں، تو مگر خاموش ہے

میں مصیبت کیش ہوں، تو استراحت کوش ہے

روئیں روئیں تیرا بے احساس و بے حرکت ہی کیوں

تو تنِ تنہا رہینِ خانۂ ظلمت ہی کیوں

ثبت ہے کیوں مہرِ خاموشی لبِ گفتار پر

کیوں سکوں طاری ہے طبعِ غلغلہ آثار پر

میری فریادوں سے تجھ کو کچھ نہیں ہے واسطہ

تجھکو اپنی راحتوں سے بالیقیں ہے واسطہ

غزلیات

غزلیات

غزل

جو ہستیٔ موہوم سے بیگانہ بنا دے

اُس کیف کا ساقی کوئی پیمانہ پلا دے

یا صبر و سکوں کی مجھے توفیق عطا کر

یا دامنِ وحشت کو ذرا اور بڑھا دے

وہ سوز عطا کر کہ جہاں بھر کو جلا دوں

وہ درد عطا کر جو زمانے کو رُلا دے

غزل

تری فرقت میں رو رو کر مرا بے ہوش ہو جانا

تاثّر کے لئے ہے استراحت کوش ہو جانا

ابھی تک کھینچتا ہے کیف کا منظر نگاہوں میں

وُہ بے باکانہ ساقی کا سُبو بر دوش ہو جانا

یہی تھی حُسنِ کامل کے تاثّر کی شہنشاہی

یقینی امر تھا موسےٰ ترا بے ہوش ہو جانا

سُناتا ہے کوئی دھیمے سروں میں موت کا نغمہ

کوئی دم کے لئے اے دل ذرا خاموش ہو جانا

ہوا ٹھنڈی جو آتی ہے گھٹا بھی آرہی ہوگی
مرے ساقی! ابھی سے میکدہ بردوش ہو جانا

شگوفوں کی بہارستاں میں چھپکر بیٹھنے والے
حریمِ داغِ دل میں بھی کبھی روپوش ہو جانا

غزل

جورِ محبوب سے ہم مائلِ فریاد نہیں — نغمۂ عیش ہے بہ شکوۂ بیداد نہیں
عہد و پیمانِ محبت جو ہوئے تھے ہم میں — مجھکو ہیں یاد سبھی آپ کو گویا نہ نہیں
لوگ کہتے ہیں محبت میں خدا ملتا ہے — لیکن اپنی ہے یہ حالت کہ خدا یاد نہیں

آنکھوں آنکھوں ہی میں کھل جاتے ہیں لاکھوں اسرار — درسِ الفت کے لئے حاجتِ استاد نہیں

گر ستم مجھ پہ نہ کرتے تو ستم تھا مجھ پر — مجھ پہ بیداد جو کی ہے تو یہ بیداد نہیں

کیوں تعجب ہے اُسے دیکھ کے تجھ کو اے دل! — جلوۂ حُسنِ ازل ہے تجھے کیا یاد نہیں؟

اے ولی! دیکھ کسی مست کے دامن کو نہ چھیڑ
بے خبر اپنا گریبان تجھے یاد نہیں

غزل

کہوں کیا وحشتِ ویرانہ پیمائی کہاں تک ہے
کہ وسعت میرے صحرا کی مکاں سے لامکاں تک ہے

اگر چاہوں نظامِ دہر کو زیر و زبر کر دُوں
مرے جذبات کا طوفاں زمیں سے آسماں تک ہے

ترے مٹنے میں اے دل! زندگی کا راز مضمر ہے
ہراسِ نیستی آغازِ وقتِ امتحاں تک ہے

ستاتا ہے مجھے صیاد ظالم اس لئے شائد،
کہ رونق اُس کے گلشن کی مرے شغلِ فغاں تک ہے

فروغِ حسرت و غم سے جگر میں داغ رکھتا ہوں
مرے گلشن کی زینت دورِ ہنگامِ خزاں تک ہے

وَلی! شامل نہیں ہو تم ابھی رندوں کے حلقے میں
تمہاری بادہ نوشی محفلِ پیرِ مغاں تک ہے

غزل

اس طرح بسمل تڑپ کر زیرِ خنجر رہ گیا
دیکھکر جس کی تڑپ قاتل تڑپ کر رہ گیا

رو دئے وہ سنتے سنتے میرے غم کی داستاں
موتیوں سے دامنِ امید بھر کر رہ گیا

اُن کی چشمِ مست سے آنسو ٹپک کر رہ گئے
ساغرِ لبریز سے گویا چھلک کر رہ گیا

انقلابستان ہستی میں ہے انساں کیا ولی!
گاہے بن کر رہ گیا گاہے بگڑ کر رہ گیا

غزل

کچھ نہ پوچھو اثرِ دیدۂ حیراں مجھ سے
آئنہ خانہ ہے صحنِ چمنستاں مجھ سے

وحشتِ جامہ دری ہے یہ نمایاں مجھ سے
ہے تزلزل میں ہر اک تارِ گریباں مجھ سے

سوزِ الفت سے ہی ہر قطرۂ خوں شعلہ فشاں
جادۂ خنجرِ قاتل ہے چراغاں مجھ سے

صبرِ عاشق ہے تری غیر نوازی کا سبب
رونق افروز ہوئی بزمِ حریفاں مجھ سے

اس سیہ خانے میں وہ سوختہ ساماں ہوں میں
ذرہ ذرہ ہے یہاں شمع شبستاں مجھ سے

آبلے ہیں خلشِ خار سے خونناب فشاں
اے ولی! رشکِ گلستاں ہے بیاباں مجھ سے

غزل

کسی کے عشق میں کچھ دل پہ اختیار نہیں
کسی کی یاد میں جذبات کو قرار نہیں

بہار آئی ہے سرمایۂ بہار نہیں
جنوں کا جوش ہے دامن میں ایک تار نہیں

بتوں کا پوجنا ہے شرک لیکن اے واعظ!
خدا گواہ! مجھے دل پہ اختیار نہیں

وہ آنکھ دے کہ جسے دید سے ہو استغنا،
وہ قلب دے کہ جو منت کشِ قرار نہیں

عیاں ہوا کہ چمن ہے خزاں کے زیرِ اثر
ولی کا آج گریباں جو تار تار نہیں

غزل

جام، صہبائے ارغوانی کا ہے امیں عمرِ جاودانی کا

یہ خدوخال یہ نقوش یہ رنگ تو ہے شہکار کلکِ مانی کا

میری دنیا کو کر دیا برباد کیوں نہ ماتم کروں جوانی کا

آشیانے سے کر دیا آزاد شکر ہے برقِ ناگہانی کا

آپ نے آئینے کو توڑ دیا حسن دیکھا جو اپنے ثانی کا

تم نہ احساس عشق کا کرنا

دل دھڑک جائیگا جوانی کا

غزل

بہاراں نے عروسِ نو بنایا ہے گلستاں کو
جنوں کیونکر نہ لے پہنچے ہیں اب جیب و گریباں کو
ذرا اُن کے پریشاں گیسوؤں کا بھی تماشا کر
ملے او دیکھنے والے مرے تارِ گریباں کو
بچایا مجھکو طوفانِ حوادث کے تھپیڑوں سے
خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے موجِ طوفاں کو

کنارے پر کھڑے ہو کر جو دیکھا بھی تو کیا دیکھا

مزا جب ہے کہ دیکھیں کود کر موجوں میں طوفاں کو

قفس کیا چیز ہے؟ صیاد کے جور و ستم کیا ہیں؟

مری شعلہ نوائی پھونک ڈالے گی گلستاں کو

مرے دامن سے دھل جائے کثافت داغ عصیاں کی

الٰہی! بخش دے پاکیزہ آنسو چشم گریاں کو

غزل

وہ چشم مست ہی سرمہ سا کیا لگائے ہوئے کہ میکدے پہ ہے ابرِ سیاہ چھائے ہوئے

خوشا نصیب ملی زخمِ دل کو لذتِ درد
ہوئی تھی دیر نمکداں سے لو لگائے ہُوئے

دلِ فسردہ کو کیا داغ عشق نے بخشے
چراغ گورِ تمنا پہ ہیں جلائے ہُوئے

ہماری بزم میں رنگِ سبو دجام نہ پُوچھ!
زمیں پہ چاند ستارے ہیں جگمگائے ہُوئے

ہوئے ہیں نقش بدیوار دیکھنے والے
ابھی وہ آئینہ سیما ہے رخ چھپائے ہُوئے

ہزاروں تیر کلیجے میں لگ چکے ہیں ولی!
اگرچہ وہ ہیں ابھی تک نظر جھکائے ہُوئے

غزل

گلشن میں جا کے داغِ جگر جب دکھا دیا
پھولوں کو ہم نے پیکرِ حیرت بنا دیا

کھلنے لگی اگر کوئی امید کی کلی — برقِ الم تڑپ کے گری اور جلا دیا
اُف! ارے کرشمہ ہائے خیالِ جمالِ دوست — ہر شے نے اُن کا روپ بدل کر دکھا دیا
مَیں ہوں وہ رہروِ رہِ الفت کہ ضعف سے — جب گر پڑا تو دردِ جگر نے اٹھا دیا
واقف ہیں رازِ عشق سے اہلِ چمن کہ گُل
سُن کر مرا فسانۂ غم مُسکرا دیا

غزل

لطف بھی اس میں ہے اور آزار بھی — عشق ہے آسان بھی دشوار بھی
داستانِ غمِ دلِ نادان نہ چھیڑ — گوش بر آواز ہے دیوار بھی

پوچھتے کیا ہو ولی کی داستاں

پارسا بھی ہے وہ بادہ خوار بھی

غزل

اے برق چشمکوں سے ڈراتی ہے کیوں ہمیں

ہم نے تو آشیاں بھی بنایا نہیں ابھی

تیغِ قضا کے واسطے حاضر ہے یہ گلا

لیکن اُنہیں گلے سے لگایا نہیں ابھی

غزل

جو بیتابی مرے دل میں نہاں ہے — ترے بیتاب جلوؤں سے عیاں ہے

وہ ابرِ ناگہاں اٹھا افق پر — مری توبہ کا شاید امتحاں ہے

ذرا پھولوں کی جانب دیکھ ساقی! — یہی تیری جوانی کا سماں ہے

جہاں کو دیکھنے والے ستارو — بتاؤ وہ قمر صورت کہاں ہے

زمانہ آسماں کہتا ہے جس کو — کسی وحشی کی آہوں کا دھواں ہے

ولی! تو اور مے نوشی سے توبہ
خدا رکھے ابھی تو نوجواں ہے

غزل

میں تیرے جوشِ کرم پر نگاہ کرتا ہوں
جبھی تو عمر کو وقفِ گناہ کرتا ہوں

ترے فراق میں ہر وقت آہ کرتا ہوں
ترے لئے میں جوانی تباہ کرتا ہوں

برس خدا کے لئے مجھ پہ اے سحابِ کرم!
کہ تیری آس پہ پھر اک گناہ کرتا ہوں

سمٹ سمٹ کے اُترتے ہیں جلوے سینے میں
جھجک جھجک کے جو اُن پر نگاہ کرتا ہوں

یہ قلب لے ہی پہنچتا ہے اُن کے کوچے میں
اگرچہ لاکھ اسے انتباہ کرتا ہُوں

غزل

دل میں خیالِ نرگسِ مستانہ چاہیئے — یعنی حریمِ کعبہ خمستانہ چاہیئے
ہے مرگِ عشق، ہستیِ جاوید کی دلیل — اے دل! جفائے یار کا شکوا نہ چاہیئے
کیوں اُس حسینِ سادہ کو سمجھا ہے بے وفا — اے شوقِ منفعل! تجھے ایسا نہ چاہیئے

کب تک دبا رہیگا ولی! رعبِ حُسن سے
آخر کبھی تو جرأتِ رندانہ چاہیئے

غزل

تیرا خیالِ رونقِ ایوانِ آرزو
تیرا جمال مطلعِ دیوانِ آرزو

اب آرزو کی خیر نہیں بزمِ غیر میں
دستِ ہوس ہے اور گریبانِ آرزو

گرتی رہیں ہمیشہ حوادث کی بجلیاں
پھولا پھلا کبھی نہ گلستانِ آرزو

پہنچا کسی کا ہاتھ نہ تا انتہا کبھی
اُف! کس قدر دراز ہے دامانِ آرزو

خیر اے ندیم! اُن پہ یہ ظاہر تو ہو گیا
ہم وہ نہیں جو ہوں گے پشیمانِ آرزو

تو چشمِ التفات سے سو بار گد گدا
لمسِ دلی ہے جاذبِ طوفانِ آرزو

غزل

کوئی دل میں جلوہ نما ہو رہا ہے
سیہ خانہ نور افشا ہو رہا ہے

کرشمے ہیں اُس چشمِ کیف آفریں کے
کہ مخمور ہر پارسا ہو رہا ہے

جو رمز آشنا ہیں وہی جانتے ہیں
کہ آنکھوں ہی آنکھوں میں کیا ہو رہا ہے

نہ دیکھنا میری خودداریوں کا
کہ وہ بے وفا باوفا ہو رہا ہے

اِدھر آزماتے ہیں ہم جذبِ دل کو
اُدھر کوئی صبر آزما ہو رہا ہے

جفاؤں پہ اُن کو پشیمانیاں ہیں
ولی تیرا نالہ رسا ہو رہا ہے

غزل

کہوں کیا کس ستمگر نے اجاڑا گلستاں میرا
ہوا برقِ طپاں کی نذر کیونکر آشیاں میرا

خفاست سے مری ناکامیوں کو دیکھنے والو
کوئی آخر کہاں تک کر سکیگا امتحاں میرا

چمکتی کس لئے ہے میرے دشمن کے نشیمن پر
یہاں اس شاخ پر برقِ طپاں ہے آشیاں میرا

مرا دل حسرت و رنج و غم و کلفت کا مسکن ہے
نرالے ہیں مکیں میرے انوکھا ہے مکاں میرا

مرا مزا دلیلِ زندگیِ جاودانی ہے
مٹانا سوچ کر اے آسماں نام و نشاں میرا

غزل

پیامِ دید نہ آئے کبھی نہ یار آئے
تو کس طرح دلِ بیتاب کو قرار آئے

مَیں دردِ ہجر کی لذت پہ ہُوں فدا ورنہ
اُسے بلاؤں جو اک بار لاکھ بار آئے

یہی کرم مرے قاتل کا مجھ پہ کیا کم ہے
کہ خود لحد میں مری لاش وُہ اتار آئے

یہی سزا ترے ظلموں کی تجھ کو کافی ہو
اگر تجھے بھی کسی شوخ پر پیار آئے

ہوئے ہیں داغِ دلِ زار اس طرح تازہ
کہ جیسے اُجڑے چمن زار میں بہار آئے

غزل

ہم اُلفتِ بتاں میں فرزانے ہو گئے ہیں
ناصح سمجھ رہا ہے دیوانے ہو گئے ہیں

بدنام کر دیا ہے افسونِ بے خودی نے
سب رازہائے پنہاں افسانے ہو گئے ہیں

یا میرے دردِ دل کی کوئی دوا نہیں ہے
یا چارہ ساز سارے دیوانے ہو گئے ہیں

ڈیرے لگا دئے ہیں دل میں دلی بتوں نے
کعبے میں گویا لاکھوں بتخانے ہو گئے ہیں

غزل

داستانِ غمِ دل ان کو سنائی ہوتی — قاصدا! کچھ تو مری بات بنائی ہوتی

ہائے! اس سوزِ نہانی میں جلا جاتا ہوں — وہ نہ آئے نہ سہی موت ہی آئی ہوتی

فرطِ غم عشرتِ پیہم ہے کسی ظالم نے — اور بھی آگ مرے دل میں لگائی ہوتی

زندگی حُسن پرستوں کی گذرتی کیا خوب — وصل اگر عشق میں ہوتا نہ جدائی ہوتی

اے ولی! آتشِ خاموش جلاتی ہے مجھے
کاش! اُن پر نہ طبیعت مری آئی ہوتی

غزل

ترے نازمیں وُہ اثر کہاں جو اثر ہے میرے نیاز میں
ترے حُسن میں وُہ تڑپ کہاں جو تڑپ ہے میرے گداز میں

یہ کمال ہے یہ طلسم ہے مرے عشقِ شعبدہ باز میں
نہ کشش رہی ترے حُسن میں نہ اثر رہا ترے ناز میں

مجھے عیش و غم سے غرض نہیں اگر آرزو ہے تو ہے یہی
کہ امنگ بن کے چُھپا رہے کوئی دل کے پردۂ راز میں

تری برقِ حُسن نے کیا کیا کہ مٹا دی لذّتِ زندگی
نہ رہیں وُہ پہلی حرارتیں مرے دل کے سوز و گداز میں

یَں جو رہنِ یادِ بُتاں رہا مجھے زندگی کا مزا ملا
کہ چھپی حقیقتِ عشق ہے اسی کائناتِ مجاز میں

غزل

آدمی کو ترے اوصاف کا مقدور نہیں
کون کہتا ہے کہ تو غیرتِ صد حور نہیں
خونِ عشاق وُہ آتش ہے کہ شعلہ بنکر
گر دمِ تیغ سے نکلے تو کوئی دُور نہیں

غزل

مرے دل میں خیالِ عارضِ پُر نور رہتا ہے
حریمِ کعبہ میں روشن چراغِ طور رہتا ہے

ان آنکھوں نے عجب نیرنگیِ حُسنِ ازل دیکھی
ہر اک شے سے نمایاں ہے مگر مستور رہتا ہے

بھلا ہے ہمصفیرو! اس چمن میں وقفِ غم رہنا
رُلاتے ہیں اُسی کو جو یہاں مسرور رہتا ہے

دعائے مرگ سے مجھکو شفا ہو جائے گی آخر
بتا اے چارہ گر! تو کس لیے رنجور رہتا ہے

قیامت کی تری تاثیر ہے اے جذبۂ الفت
ولی! اب اُن کی نظروں میں بہت منظور رہتا ہے

غزل

جاتا ہوں عزمِ کوچۂ جاناں کئے ہوئے
پوشیدہ دل میں موت کا ارماں کئے ہوئے

پھر ہو رہا ہے دل ہمہ تن چشمِ انتظار
داغوں سے اہتمامِ چراغاں کئے ہوئے

بیٹھے ہیں یادِ عارضِ رنگیں میں ہم نشیں
دامانِ دل کو رشکِ گلستاں کئے ہوئے

محوِ سپاسِ ترکِ کماندار ہوں پھر آج
پیوست دل میں تیر کا پیکاں کئے ہوئے

افسوس! چل دیا ہے عدم کو ترا ولی
تجھ پہ نثار دین و دل و جاں کئے ہوئے

غزل

غمِ عشق میں مرمٹا چاہتا ہوں　　حجابِ فنا میں بقا چاہتا ہوں

بڑی سہل ہے منزلِ زندگانی　　فقط موت کا آسرا چاہتا ہوں

خیالوں میں محشر بپا کرنے والے　　تجھے میں نظر آشنا چاہتا ہوں

مجھے آتشِ حسن سی خاک کر دے

جفا کرنے والے وفا چاہتا ہوں

غزل

بے مہری بُتاں نے مجبور کر دیا ہے
ارمانِ وصلِ دل سے اب دور کر دیا ہے

مجھ سے تری شکایت ممکن نہیں تھی لیکن
پیہم مصیبتوں نے مجبور کر دیا ہے

اے میرے دل کے داغو! گلشن میں آہ تم نے
لالہ کے دل میں پیدا ناسور کر دیا ہے

محفل میں تیری ساقی! حاجت نہیں ہے مے کی
کیف آفریں نظر نے مخمور کر دیا ہے

کچھ تو وفا! بتا دے کس رشکِ سامری نے
جادو بھری نظر سے مسحور کر دیا ہے

غزل

افشائے رازِ عشق سے الفت نہیں مجھے
پر کیا کروں کہ ضبط سے راحت نہیں مجھے

جولانیاں ہیں دشتِ تخیّل میں رات دن
صحرا نوردیوں کی ضرورت نہیں مجھے

پنہاں تری جفا میں محبت کا راز ہے
بے مہریوں کی تجھ سے شکایت نہیں مجھے

شکوہ ہے عاشقوں کی طبیعت کا اقتضا
ورنہ عدو سے کوئی عداوت نہیں مجھے

احباب حُسنِ ظن سے مجھے کہتے ہیں ولی
ہر چند شوقِ زہد و عبادت نہیں مجھے

غزل

دلبستگی کا عارضہ پیدا کرے کوئی　　زاں بعد آرزوئے مسیحا کرے کوئی

ظالم نے کر دئے ہیں نمکداں سپردِ غیر　　اب خاک زخمِ دل کا مداوا کرے کوئی

مَیں روز دیکھتا ہُوں کسی کی بہارِ حُسن　　کچھ میری بے کلی کو بھی دیکھا کرے کوئی

اک عمر جستجو میں کسی کی پھرا کئے　　لازم ہے اب ہماری تمنا کرے کوئی

کھُل جائے چشمِ دل دمِ نظارہ اے ولی

اُن کو مری نگاہ سے دیکھا کرے کوئی

غزل

بہرِ علاج زخمِ نمکداں نکالئے — ہاں ہاں نکالئے مرے ارماں نکالئے

کچھ میرے داغہائے جگر کو بھی دیکھئے — اس گلستاں سا کوئی گلستاں نکالئے

احسانِ یار کا تو یہی اک نشان ہے — کیوں زخمِ دل سے تیر کا پیکاں نکالئے

ہے وقتِ نزع صحفِ رُخ تو دکھائیے — ہاں ہاں! نکالئے ذرا قرآں نکالئے

آہوں کا رزق ہو گئے لختِ دل و جگر
اب کیا دلی! بہ دعوتِ مژگاں نکالئے

غزل

ظاہراً تو چشمِ انسانی سے وہ روپوش ہے
درحقیقت وہ زمانے بھر سے ہم آغوش ہے

کون دیکھیگا اُسے توبہ! یہ کس کو ہوش ہے
اس لئے وہ جلوہ گاہِ عشق میں روپوش ہے

اس قدر پی ہے کہ ساری انجمن بیہوش ہے
میرے ساقی تو ابھی تک میکدہ بردوش ہے

اک قیامت سی تری بالیں پہ برپا ہوگئی
مرنے والے تجھ پہ حیرت ہے کہ تو خاموش ہے

جب سے پی ہے وارثی ساقی کے ہاتھوں سے دلی
اس طرح بیہوش ہوں گویا سراسر ہوش ہے

غزل

دل میں نقشہ تری آنکھوں کا کھنچا دیکھا ہے رنگ میخانے کا کعبے میں جما دیکھا ہے

انتسابِ خمِ محراب و خمِ تیغ نہ پوچھ [illegible] نے مقتل میں خدا جلوہ نما دیکھا ہے

دل میں رنگینیِ عکسِ رخِ گلفام نہ پوچھ ہم نے ہر داغ کو تصویر نما دیکھا ہے

اے ولی! لذتِ آزارِ قفس کیا جانو

تو گرفتار ہو تم نے ابھی کیا دیکھا ہے